۱۶ ستمبر ۱۹۳۹

هفت روزه

خدا حافظ

قائد اعظم

برسے مگر ھے سے رنگ لالہ زار ابھی
کھلا نہیں ھے گل و لالہ کا بہار ابھی
چمن میں لوٹ کے آئی نہیں بہار ابھی
کھلی ھوئی ھے مرد چشم عطا ابھی

◘

اتاترک کے بعد

قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

آج ہم قائد اعظم کی یاد منا رہے ہیں- انہیں ہم سے رخصت ہوئے ایک برس ہو چکا ہے- اُن کی ذات کو جتنا خراج بھی ادا کیا جائے کم ہے- یہ معمولی واقعہ نہیں کہ منحنی قامت کے ایک انسان نے تاریخ کی رفتار بدل ڈالی- اور جغرافیہ عالم میں ایک ایسی مملکت کی نیو رکھی جسے لوگ کبھی شاعر کا پریشاں خواب کہتے تھے اور کبھی سامراج کی رجعتی سیاست کا بے توقیر نعرہ ــــــ!

ہندوستان میں مسلمانوں کی بادشاہت کے ختم ہوتے ہی حالات کا ایک نیا دھارا بہہ نکلا- چند انسانوں نے ماضی کی عظمت کے سایہ میں مستقبل کی مخدوش آب و ہوا کے خلاف احتجاج کیا- مگر بے سود ــــ قافلہ چلتا رہا- حالات ابھر ابھر کر ختم ہوتے رہے- واقعات کا مزاج بدلتا رہا- تاریخ نے بیشمار انگڑائیاں لیں- آخر وقت ایک ایسے مقام پر ٹھہر گیا- جہاں ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی موقف کو ڈھونڈا جا رہا تھا!

قائد اعظم آگے بڑھے اور انہوں نے مسلمانوں کے سیاسی موقف کا اعلان کیا- ان کے اعلان سے ملک کا سیاسی مزاج برہم ہو گیا اور وہ لوگ جو مسلمانوں کو اپنی متحد قومیت کا جزو کہتے ہوئے بھی اپنا جزو نہ سمجھتے تھے ایک سیل کی طرح اٹھے اور چاہا کہ اس تصور ہی کو ختم کر دیں- لیکن قائد اعظم نے سب کو مات دی- انہوں نے کوہساروں کے سینہ میں شگاف ڈالا- ہواؤں کا رخ پھیرا- زلزلوں کی عنان تھامی- آندھیوں سے کہا ــ یہ تمہارا راستہ نہیں- اور بجلیوں نے کوندنے کے لئے نقاب الٹی تو مسکرا دیئے- آخر بادلوں کی گھن گرج کا یہ انسان جس کا ہیولیٰ عزم کی مٹی سے تیار ہوا تھا شاعر کے خواب کی تعبیر ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا- اور اس نے تاریخ کے صفحوں کو اپنی اس فتح سے جگمگا دیا کہ پاکستان ایک مضبوط حقیقت کا نام ہے؟

پاکستان کے سوال پر خود مسلمانوں میں اختلاف تھا- ایک مختصر جماعت اس کو مسلمانوں کی سیاست کا حل نہ سمجھتی تھی- لیکن مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے اس کی پشت پناہی کی ــ آخر پاکستان حاصل ہو گیا- اور اب پاکستان دُنیا کی پانچویں بڑی سلطنت اور سب سے بڑی اسلامی مملکت ہے- اور جو کچھ بھی ہم نے حاصل کیا ہے، وہ تنہا قائد اعظم کے استقلال کی جیت ہے؟

راہنما آتے اور چلے جاتے ہیں ــــــــ موت سے کس کو رستگاری ہے- لیکن جب ان کی زندگی کا افسانہ سمٹ جاتا ہے، تو وہ اپنے پیچھے کچھ نقوشِ پا چھوڑ جاتے ہیں جنہیں زندہ قوم کے شجیع نوجوان نشانِ راہ بنا کر آگے بڑھتے ہیں- تاروں پر کمندیں پھینکتے ہیں اور آفتاب کا شکار کرتے ہیں- تاریخ ان کے اشارۂ چشم و ابرو پر تھرکتی ہے اور وقت ان کی چال کے ساتھ اپنی چال ملا دیتا ہے- آج پاکستان کو ایسے ہی نوجوانوں کی ضرورت ہے ــــــ ستاروں پر جو ڈالتے ہوں کمند!

پاکستان زندہ باد

غلام محمد لونڈخور صوبہ بدر کر دیئے گئے

خواجہ عبدالقیوم کی وزارت کا تازہ کارنامہ یہ ہے کہ خان غلام محمد لونڈخور کو صوبہ سرحد سے چھ ماہ کے لئے خارج کر دیا گیا ہے، ان کا قصور کیا ہے، اس کے متعلق وزارت سرحد نے کوئی بیان نہیں دیا۔ اور غالباً بیان دینے کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ خواجہ صاحب کا ہر فعل حق و انصاف کی میزان میں تلا ہوا ہے اور ان کی زبان وزارت ترجمان سے جو کچھ فرماتے ہیں وہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہوتا ہے، البتہ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے خان صاحب کا قصور [illegible] کہ وہ سرحد کی عوامی لیگ کے راہنما ہیں۔ اور [illegible] بات پر زور دے رہے ہیں کہ خواجہ عبدالقیوم نے سرحد میں حقوق شہریت کی جو مٹی پلید کر رکھی ہے وہ ایک جمہوری مملکت کی شان کے شایاں نہیں، اس سے ایک تو جمہوریت کے اعلیٰ مقاصد کو صدمہ پہنچتا ہے، دوسرے عامۃ الناس طمانیت محسوس کرنے [illegible] بے اطمینانی کا شکار ہوتے ہیں، کیا خواجہ صاحب [illegible]

غلام محمد لونڈخور ان کی ذات کے لئے خطرے کا باعث ہیں یا پاکستان کے لئے؟ اگر پاکستان کے لئے ان کی سرگرمیاں خطرے کا باعث ہوں تو ہم اپنی حکومت سے سفارش کریں گے کہ [illegible] انہیں ملک بدر کیوں نہیں کیا جاتا، عدالت میں کیوں پیش نہیں کیا جاتا، عدالت پر لانے کا سوال ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ وہ لاعلاج مرض ہیں اور ان کی وزارت احتساب سے بالا ہے؟

متروکہ مکانوں کے کرائے

یہ کہنا تو محال ہے کہ بحالیات کے محکمہ کی تجویزوں کے خلاف کس شدو مد کے ساتھ ہماری خاموشی [illegible]، لیکن اب تک جو تجویزیں عوام کے سامنے آئی ہیں ان میں سے ۹۰ فیصد کے قریب ایسی ہیں جن سے سو فیصد لوگ سوائے سفارشی افراد کے نالاں ہیں۔ تازہ سرکاری اعلان میں کہا گیا ہے کہ دوبارہ الاٹمنٹوں کے وقت انہی لوگوں کو مکان الاٹ کئے جائیں گے جنہوں نے تمام واجبات ادا کر دیئے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ محکمہ بحالیات نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ دو سال یا ڈیڑھ سال کا کرایہ یکمشت ادا کرنا الاٹیوں کی استطاعت سے باہر ہے، اور پھر الاٹیوں کے واجبات جو تعمیر وغیرہ کے سلسلہ میں طلوع ہوتے ہیں اور ان میں دفتر بحالیات کی طرف سے جو تعویق ہوتی ہے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ ان پیچیدگیوں کے علاوہ اور کئی مصیبتیں ہیں، ان میں سب سے بڑی مصیبت ان صاحب جائیداد لوگوں سے کرایہ کی وصولی کا مسئلہ ہے جو اپنے ذاتی مکانات اور دکانیں ترک کر کے آئے ہیں اور آئے دن کی قانونی موشگافیاں انہیں کسی ٹھکانے پر لگنے نہیں دیتی ہیں۔ اگر محکمہ بحالیات کا منصب اپنے ملازموں کی پرورش ہے تو وہ شوق سے اس سختی کو جاری رکھ سکتا ہے اور اگر مقصود آبادکاری ہے تو اسے ان سختیوں کو ختم کرنا چاہیئے۔ جن کا شکوہ ہر کہ و مہ کی زبان پر ہے۔

سردار عبدالرب نشتر کے نام

عوام نے سردار صاحب کے اس اقدام کو سراہا ہے کہ وہ صوبے کی عوامی زندگی کو جانچنے کے لئے براہ راست معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور انہوں نے عوام کو قریب سے دیکھنے کے لئے منصب والا گورنروں کی روایات کو ختم کر دیا ہے، ہم چاہتے ہیں [illegible] کسی دن ہمت [illegible] بحالیات کے مختلف دفتروں کا چکر لگائیں اور دیکھیں [illegible] بحالیات کی اکثریت کس کیفیت سے لوگوں کو [illegible] کہا جاتا ہے کہ یہ ہم کو کسی ملک [illegible] معاشی [illegible] تفاوت قریب لاتی ہے،

مگر سرکاری دفتروں کا مزاج ایک ایسا عنصر ہے جو ان سے بھی زیادہ خطرناک ہے اور کوئی حساس انسان افسروں کے پرشکن چہروں کو دیکھ کر ان کے لئے اپنے دل میں احترام پیدا نہیں کر سکتا ہے؟

ہمارے افسر بدل جائیں تو بہت کچھ بدل سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ پچاس فیصد ابھی تک صاحب بہادر بنے ہوئے ہیں اور دس فیصد اچھے افسروں کو چھوڑ کر چالیس فیصد طبقاتی برتری کی مسند پر متمکن ہیں۔

سردار صاحب کو ہم نے اس لئے مخاطب کیا کہ وہ کم سے کم ان حالات کے نباض ہیں۔ اور انہیں معلوم ہے کہ افسروں کی ذہنیت کیسی ہوتی ہے۔

اس کا جواب کون دے گا

سید ہارون شاہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے عزیزوں میں سے ہیں۔ پرسوں آپ دفتر "چٹان" میں تشریف لائے تو آپ نے ایک دردناک واقعہ سنایا۔ ان کے پاس ان کا ایک دوست جو امرتسر میں اچھے کاروبار کا مالک تھا، آیا اور بتایا کہ زندگی چوپٹ ہو جانے سے ذہنیت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کہ کئی کئی دن فاقوں میں کٹتے ہیں۔ یا تو کچھ امداد کرو، ورنہ میں نے اپنی اہلیہ اور بیٹی کو جنسی کاروبار پر آمادہ کر لیا ہے؟ کیونکہ آج خدا اور انصاف کی بجائے حسن اور عصمت کے صلہ میں روٹی با فراغت مل جاتی ہے ——

شاہ صاحب اس واقعہ کو سناتے ہی اشکبار ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ اس شخص کے الفاظ تھے جو کبھی دوسروں کی پرورش کرتا تھا، اور احباب میں حمیت کا پتلا سمجھا جاتا تھا۔

ایک اور واقعہ سنئے، مسعود ارجمند ازدو نے ایک نوجوان شاعر ہیں، راولپنڈی میں ملازمت کرتے ہیں ایک عرصے کے بعد ملے بتایا کہ راولپنڈی میں ایک ایسی لڑکی آٹھ روپے ماہوار پر برتن مانجھ کر گذارہ کرتی ہے، جس کا مشرقی پنجاب کے کوآپریٹو بنک میں اٹھارہ ہزار روپیہ جمع ہے۔ کئی دروازوں کو دستک دی گئی ہے مگر افسروں کو جاگتی نیندوں سے جھنجھوڑنا انسان کے بس سے باہر کی بات ہے۔

"نوائے وقت" کی اشاعت مورخہ ۱۰ ستمبر کے اداریہ صفحہ پر ذیل کا شذرہ چھپا ہے —— ! ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا جواب کس کے ذمہ ہے :-

غیرت کو تازیانہ

بہت شور سنتے ہیں کہ جو مسلم خواتین مشرقی پنجاب رہ گئی ہیں ان کی بازیابی کے لئے بڑا کام ہو رہا ہے اور ہم پاکستانی ان کے لئے خون کے آنسو بہا رہے ہیں، مگر یہ واقعہ سنئے اور شرم کے مارے سر جھکا لیجئے :-

شہر پور پٹیالہ یونین سے ایک شریف ہندو سروپ چند شاستری نے ہمیں خط لکھا ہے کہ دو سال سے ایک نوجوان مسلم خاتون بیوہ ان کی پناہ گزین ہے، اس کے تین بچے ہیں ایک لڑکا عمر ۶ سال، ایک لڑکی عمر ۱۲ سال، اور ایک اور لڑکی عمر ۳ سال۔ تینوں بچے اس کے پاس ہیں۔ یہ لڑکی نہایت شریف، پاک باز اور ایماندار ہے، محنت مزدوری اور مخیر لوگوں کی امداد سے مصیبت کے دن گذار رہی ہے اس کے [illegible] اور جیٹھ پاکستان چلے گئے۔ ان کے خط اکثر کہتے ہیں [illegible] وہ تنگ دستی اور پریشانی کی وجہ سے [illegible] سال سے متواتر شکایت کرتے چلے آ رہے ہیں، مگر اس کو لینے کے واسطے اب تک نہیں پہنچے۔ ہم نے یہاں اسے بحفاظت تمام اس کو نائیر کوٹلہ والے رشتہ داروں کے ساتھ [illegible] کی ہر چند کوشش کی مگر یہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ کا [illegible] جانا ہرگز گوارہ نہیں کرتی۔ عرصہ دو سال سے ہماری حفاظت میں ہے اور بالکل شریف اور پاک دامن خاتون ہے، ایسی صورت میں ہم حیران ہیں کہ کیوں وہ اس کو آ کر لے نہیں جاتے، کیا برادران اسلام کا اتنا خون سرد پڑ چکا ہے، یہ ایک شریف گھر کی بہو بیٹی ہے اس کا حسنا و شمیاں کردار قانون تھا"

اس شریف ہندو کا پتہ شری سروپ چند شاستری شیرپور ڈاک خانہ خاص پٹیالہ اسٹیشن پر مقیم ہے۔ اس خاتون کے رشتہ داروں کا پاکستان کا پتہ بھی شاستری صاحب نے لکھا ہے، لیکن ہم اسے شائع کر کے ان بھائیوں کو رسوا نہیں کرنا چاہتے۔

ہم کوشش کر رہے ہیں اور انشاء اللہ اس خاتون کے باعزت پاکستان پہنچنے کا انتظام ہو جائیگا۔ مگر کیا سروپ چند شاستری صاحب کا یہ خط ہماری غیرت پر تازیانہ کا کام نہیں دے گا؟

پھر لائلپور

لائلپور پولیس کے دامن پر آج تک دو تہمتیں لگ چکی ہیں۔ ایک وتیر سنگھ کا واقعہ، دوسرے شمس کی گمشدگی، اب تیسرا اسلم محمد صدیق کی موت کا ہے، جس کی تفصیلات اخبارات میں چھپ چکی ہیں۔ کیا ہمارے صوبے کے انسپکٹر جنرل جن کی دیانت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان واقعات کے ازالہ کی صورت بھی پیدا کر سکتے ہیں؟

جب تک انگریزی عہد کی ملازمانہ ذہنیت ختم نہ ہوگی عوام اور پولیس میں خوشگوار روابط پیدا نہیں ہو سکتے، اور دونوں میں ایک دوسرے کی اعانت کے اس جذبہ کا پیدا ہونا محال ہے۔ جس کی موجودہ حالات میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ماہنامہ "عکاس"

"عکاس" ایک خوبصورت ادبی مجلہ ہے جو طاہر میر کی ادارت میں لاہور سے شائع ہو رہا ہے، جہاں تک پرچہ کی ظاہری نفاست اور ادبی لطافت کا تعلق ہے اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اعلیٰ معیاری رسالہ کی مابہ الامتیاز خصوصیات سمجھی جاتی ہیں، مقالات میں تنوع ہے، اور مغربی پاکستان کے تمام بلند پایہ اہل قلم کے رشحات سے عکاس کے صفحات جگمگا رہے ہیں۔ ہم اس کامیاب ادبی تخلیق پر اپنے دوست طاہر میر کو مبارکباد دیتے ہیں جنہوں نے ان سنگین حالات میں ایسا خوبصورت پرچہ نکال کر نظر و فکر کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

سالانہ چندہ صہ —— فی پرچہ ۱۰ھ

ملنے کا پتہ :- "عکاس" بھاٹی گیٹ لاہور

صادق کاشمیری کی علیحدگی

دفتر "چٹان" سے صادق کاشمیری علیحدہ ہو گئے ہیں، اب چٹان کے سلسلہ میں ان سے خط و کتابت یا لین دین کا حساب غیر متعلق ہے۔

(۲۹)

شورش کاشمیری

بُوئے گُل — نالۂ دِل — دُودِ چراغِ محفل

گجرات پہنچا تو میں نے اپنی تئیں تنہا محسوس کیا۔ احرار پہلے تھے اور اتحاد ملت والے ناراض۔ کچھ دن بعد آسرا کٹ گئے۔ لالہ لکشمی چند۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ تھا۔ پہلے دن پیش ہوا تو انہوں نے میرا اخلاقی سلام بھی قبول نہ کیا۔ اور پولیس کو چودہ دن کی تاریخ دے دی۔ مجھے اس سے شدید احساس ہوا۔ میں نے لالہ رام لال کپور۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل سے ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جس دن اے ڈی ایم صاحب سے مجھ سے واسطہ پڑا انہیں معلوم ہوگا کہ میں عام قیدیوں کی طرح نہیں ہوں یہ مجسٹریٹ ذرہ حقیر سمجھتے ہیں۔ کپور نے میری بات لالہ جی کے کان میں ڈال دی تیسرے یا چوتھے روز لالہ صاحب تشریف لائے اور دور ہی سے "کہئے شورش صاحب مزاج کیسے ہیں" کی صدا دی۔ قریب آکر مصافحہ کیا اور دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، اس کے بعد ان کا عدالتی رویہ بھی درست ہو گیا ہمیشہ خوش مزاجی سے پیش آتے اور عزیز و رشتہ داروں سے ملاقات کی اجازت بھی دے دیتے۔ آخر چند دنوں کی سماعت کے بعد ایک برس قید کا حکم ملا۔ اس دوران میں کچھ شناساؤں نے ملاقات بھی کی ۔ ۔ کہا کہ صفائی وغیرہ کا انتظام کریں۔ لیکن میں نے مقدمہ کو طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ ایک تو گجرات میں کوئی دوست نہ تھا دوسرے دشمنوں کی طرف سے جس گرمجوشی کا سلوک چاہئے تھا وہ میسر نہ تھا۔

جیل کے ڈاکٹر ایک مسلمان نوجوان تھے۔ ان کا رویہ میرے ساتھ کچھ نامناسب تھا اس کی تصدیق ہو گئی۔ میں بی کلاس کے ایک سکھ قیدی کی کوٹھڑی میں بیٹھا غالباً اخبار دیکھ رہا تھا کہ میری پیٹھ پر ایک نمبردار کے ہاتھ سے ابلتے ہوئے دو سیر دودھ کا برتن گر گیا۔ میں اوندھے منہ تھا اور بدن ننگا تھا۔ پیٹھ بُری طرح جھلسی گئی۔ دوڑا دوڑا ہسپتال پہنچا۔ وہاں ایک سید کمپونڈر تھا اس نے فوراً پٹی باندھی اور ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ لیکن وہ نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے غش آ گیا۔ ہوش میں آیا تو ڈاکٹر صاحب ابھی تک نہ آئے تھے۔ رات کے وقت پیشاب بند ہو گیا۔ میں نے شدت تکلیف سے چلانا شروع کیا۔ آدھ گھنٹہ گذرا تو کمپونڈر آ گیا۔ ڈاکٹر کا پوچھا تو کہا آج ان کی طبیعت قدرے خراب ہے، کمپونڈر نے ربڑ کی نالی لگا کر پیشاب نکالنا شروع کیا۔ مگر پیٹھ کے زخم نے کچھ ایسا بند لگایا کہ تکلیف بڑھتی گئی اور پیشاب نہ نکلا۔ اتنے میں داروغہ آ گیا میں نے اس سے شکایت کی۔ کمپونڈر نے یہ سمجھتے ہوئے کہ میں انگریزی نہیں جانتا اُسے بتایا کہ وہ دو دفعہ ڈاکٹر کو کہہ چکا ہے لیکن ڈاکٹر "چھوڑو جی" کہہ کر چپ ہو جاتا ہے۔

اس سے مجھے بے اختیار ڈاکٹر عالم کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ منشی احمد دین نے سنایا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے میرے استفسار پر اس کی تصدیق کی تھی۔

واقعہ یہ تھا کہ ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی میں جب ڈاکٹر عالم گجرات سب جیل میں بیمار ہو گئے اور لاہور میو ہسپتال میں لائے گئے تو اخباروں نے ان کی غیر مشروط رہائی پر زور دینا شروع کیا۔ ان کی علالت کے بارے میں استفسار ہونے لگے۔ خدا معلوم کس اخبار کی تحریک پر ایک ڈاکٹر کو لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا گیا کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو آتشک کا ٹیکہ لگا دے، اسی روز ایک دوسرے ڈاکٹر نے کہ پہلے اس کو اس کام کے لئے کہا گیا تھا ڈاکٹر صاحب پر تمام معاملہ افشاء کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب چوکنے ہو گئے۔ دوسرے دن جب سازشی ڈاکٹر ٹیکہ لگانے آیا تو ڈاکٹر عالم نے اس سے دیکچی میٹر چھین لیا، تکیے کے نیچے ایک ہنٹر رکھا ہوا تھا۔ وہ نکالا اور ڈاکٹر پر پل پڑے

میں درد سے تڑپ رہا تھا کمپونڈر سے ڈاکٹر کی سنگدلی کا حال سنا تو بے ساختہ غصہ آیا۔ لالہ رام لال کپور سے کہا:۔

دیکھئے داروغہ صاحب! میں سمجھ چکا ہوں کہ مجھے مار دینے کی سازش کی گئی ہے، میں نے اپنے گھر والوں کو اس کی باقاعدہ اطلاع بھیجی ہے آپ کو مطلع کئے دیتا ہوں کہ میری جان کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں، آپ مجھے مل جل کر کسی بانا سازش کے تحت قتل کرنا چاہتے ہیں۔

میں نے زور زور سے نعرے لگانے شروع کر دیئے، داروغہ گھبرا گیا اس نے کہا گھبراؤ نہیں میں ابھی ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔ وہ دوڑا دوڑا ڈاکٹر کے پاس گیا۔ اور اسے بُلا لایا۔ میں نے ڈاکٹر کی صورت دیکھی تو میرے خون کی حرارت تیز ہو گئی، اپنے متلاطم جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے اس سے کہا:۔

میں صبح سے مر رہا ہوں اور آپ نے ایک دفعہ بھی آنے کی تکلیف نہ فرمائی۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟

ڈاکٹر نے سنی ان سنی برابر کر دی۔ اس سے میرے غصہ کا پارہ اور بڑھ گیا۔ میں نے ڈاکٹر کو لات رسید کی۔ اور کیا بکتے نہیں۔ اس سے معاملہ بڑھ گیا۔ میرے علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد تیز مزاج ڈاکٹر نرم پڑ گیا۔ پھر ہمدردی جتلانے لگا، لیکن اس کے باوجود کہ میں پیشاب کی بندش سے سخت لاچار تھا۔ میں نے اس سے علاج کرانے پر مزاحمت کی۔ اور شور مچاتا رہا کہ ڈاکٹر مجھ سے پولیٹیکل انتقام لینا چاہتا ہے۔ جب میرے جینے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو داروغہ نے سول سرجن کو اطلاع کی۔ وہ دوڑا دوڑا آیا۔ میں نے اس سے تمام کیفیت بیان کی۔ اس نے ڈاکٹر کو کافی سخت سست کہا اور انسپکٹر جنرل ہسپتالز کو رپورٹ کر دی۔ سول سرجن ہندو تھا۔ اور ڈاکٹر مسلمان، چند دنوں ہی میں مسلمان ڈاکٹر نے مسلمان اخباروں کا سہارا لے کر اس کے خلاف مراسلات چھپانے شروع کرا دیئے کہ ہندو سول سرجن مسلمان عملہ سے تعصب برتتا ہے۔

رات کے ایک بجے سول سرجن نے میرا پیشاب نکالا۔ اور مجھے نیند کا احساس ہوا۔ ابھی میری آنکھ لگی ہی تھی کہ دھڑام سے میرے سر پر ایک سٹول لگا۔ میں بلبلا اٹھا۔ پیشانی سے ذرا اوپر کے حصہ میں شدید چوٹ لگی۔ اور خون بہنے لگا۔

یہ کارنامہ ایک "پاگل" قیدی کا تھا، جسے ڈاکٹر صاحب میرے ساتھ ہی بند کر گئے اور غالباً اشارہ سے کچھ کہہ بھی گئے تھے۔ نمبردار قیدی نے سیٹی بجائی۔ جمعدار وغیرہ بھاگے بھاگے آئے، داروغہ پہنچا اور مختصر یہ کہ اس "پاگل" قیدی کو جو حقیقتاً پاگل نہ تھا تنہائی کی کوٹھڑی میں بھیج دیا گیا۔

سزا کے دوسرے ہفتے مجھے واپس لاہور بھیج دیا گیا۔ سب جیل گجرات سے جب میں چھن چھناتی بیڑیاں پہنے ہوئے ریلوے اسٹیشن کی طرف آ رہا تھا تو کچہری سے کچھ آگے چند عورتیں جا رہی تھیں۔ ایک بوڑھی عورت نے اپنے ساتھ کی جوان عورت سے کہا۔

"دیکھ کناں گھبرو جوان اے، لیکن دیئے ویٹے کس بھیڑے پیسے نیں"

(دیکھ کتنا گھبرو جوان ہے لیکن بیٹی بُرے کاموں کے بُرے نتیجے ہی ہوتے ہیں)

کانسٹبل نے مائی کی بات سنی تو مسکرا کر کہا "ماں یہ تو خلافت کا قیدی ہے۔" یہ سنتے ہی بڑھیا کا چہرا ایکا ایک مسکرا اٹھا۔

"اچھا بیٹا! اللہ عمر دراز کرے، آفرین ہے اُن ماؤں پر جنہوں نے ایسے بچے پیدا کئے۔ یہ تو دین اسلام کا غازی ہے۔"

میں خود بھی ہنس دیا۔ اور اسٹیشن تک سوچتا رہا کہ انسان کے جذبات واقعات کی نوعیت کے ساتھ کس سرعت سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔؟

گو اس زمانے میں ریل گاڑیوں میں بھیڑ نہ ہوتی تھی۔ لیکن پولیس نے اپنی روایتی دھونس سے ایک چھوٹے سے ڈبے پر قبضہ جما لیا۔ اسی ڈبے میں دو نوجوان لڑکیاں ایک ضعیفہ عورت کے ہمراہ مقابل کی سیٹ پر آ بیٹھیں، کانسٹبلوں نے ہر چند کہا کہ آپ زنانہ ڈبے میں بیٹھیں لیکن انہوں نے اسی ڈبے میں بیٹھنے پر اصرار کیا۔ مجھے ان کی جرأت و جسارت پر حیرت ہوئی۔ مگر لطف بھی محسوس کیا۔ خیر گاڑی چلتی رہی۔ میں نے اپنی سمت کی کھڑکی سے چہرہ باہر کو نکال دیا اور انہوں نے اپنی کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کیا۔ کچھ دیر کے لئے میں سب کچھ بھول گیا۔ مجھے کچھ یاد نہ رہا کہ میں قیدی ہوں مجھے ایک برس کی قید ہوئی ہے میرے پاؤں میں بیڑیاں اور میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے، ایسا محسوس ہونے لگا جیسے مجھ پر شاعرانہ احساسات غلبہ پا رہے ہیں۔ اور میرے دماغ و دل کے خفتہ، رومانی گوشے جھنجھوڑے جا رہے ہیں۔ گاڑی لاہور پہنچی تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے شگفتہ خواب سے چونکا دیا ہو اور پلکوں سے سہانی نیند جھڑ گئی ہے۔

لاہور سنٹرل جیل میں ایک ماہ تک تو مجھے پرانے چودہ نمبر کی قصوری لائن (خطرناک قیدیوں کی جگہ) میں رکھا گیا۔ لیکن جب میں نے شدید تنہائی کا پے در پے گلہ کیا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے مجھے پہلے احاطہ میں چکر منشی بنا کر بھیج دیا۔ یہ میرے لئے قید خانہ میں سکون کا آخری درجہ تھا۔ میں نے خوشی محسوس کی۔ اور دن ہنسی خوشی گذرنے لگے،

جیلخانے میں قیدی کے لئے دو چیزیں نعمت غیر مترقبہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ایک ملاقات کا دن۔ جو اس کے لئے روز عید سے برتر ہوتا ہے۔ اور دوسرا عزیزوں کے خطوط۔ جو اس کی سوگوار تنہائیوں کے مونس ہوتے ہیں۔ ایک دن مجھے ڈاک منشی نے دو لفافے دیئے، ایک والد کی طرف سے تھا، دوسرا "اجنبی"۔ اجنبی لفافے نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میری زندگی میں یہ پہلا خط تھا کہ کسی نامعلوم لڑکی نے مجھے مخاطب کیا مضمون تھا کہ "میں نے آپ کی تقریریں سنی ہیں۔ ویسے بھی جاننا چاہا ہے اور آپ کے ساتھ گجرات سے لاہور تک کا سفر بھی کیا ہے۔ میرے دل میں آپ سے ملنے کا شوق ہے، کیا میں آپ سے مل سکتی ہوں؟" نیچے اس کا پتہ اور نام درج تھا۔

میں اس خط سے گھبرا سا گیا۔ اور اس کا ڈانڈا "اسپنائی سازش" کے ساتھ ملاتا رہا۔ میری طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد پھر ایک خط ملا۔ اس میں بے اعتنائی کا شکوہ تھا۔ میں نے پھر

چپ سادھ لی، آخر جب بہت سے خطوط لکھے تو میں نے ایک دوسرے منشی سے لکھا کر جواب بھیجا کہ بندہ نوازی کا شکریہ جیلخانے میں ملاقات کی اجازت مشکل ہی سے ملتی ہے۔" مگر ہر کے باوجود اس کے خط آتے رہے، جن میں کبھی کبھار غالب اور اختر شیرانی کے شعروں کا اندراج بھی ہوتا تھا۔

قید گذر رہی تھی۔ ایک دفعہ معائنہ کے لئے بورن ڈپٹی کمشنر لاہور آگیا، مجھے دیکھتے ہی آگ بھبوکا ہوگیا، سپرنٹنڈنٹ سے مخاطب ہوکر کہنے لگا "اس کو اس طرح آزاد کیوں چھوڑ رکھا ہے" سپرنٹنڈنٹ نے داروغہ کے ذمے بات ڈال دی۔ داروغہ نے کہا میں نے انتظامیہ طور پر اسے یہاں رکھا ہے، کیونکہ پولیٹیکل قیدی یکجا ہوں تو انتظام میں خلل ڈالتے ہیں۔ اس دلیل نے بورن پر اثر نہ کیا۔ اور علیحدہ رکھے جانے کی ہدایت کر گیا۔

کرنل سوندھی نے سامنے تو ہاں کردی، لیکن دوسرے دن مجھے بلاکر کہا۔ دیکھو! اب بورن آئے تو ادھر ادھر چھپ جایا کرو، سامنے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

سید عنایت شاہ مرحوم نے لاہور ہائیکورٹ میں میری اپیل کی مگر جسٹس رام لال نے خارج کردی۔ اس استرداد کے کچھ دنوں بعد سر سکندر حیات کے ایک رشتہ دار سردار احمد بخش جو کیمبلپور کی مزدور سیٹ سے اسمبلی کے لئے منتخب ہوئے تھے مجھے ملنے کے لئے تشریف لائے اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں بلا بھیجا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے کہا یہ آپ کے ملاقاتی ہیں! "میرے ملاقاتی!" مجھے حیرانی ہوئی۔ اس سے پہلے میں نے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا۔ انہوں نے میری حیرت کو زائل کرنے کے خیال سے فوراً فرمایا۔ "مجھے سردار صاحب نے بھیجا ہے"

میں :۔ "کون سردار صاحب؟"

احمد بخش :۔ "وزیر اعظم"

میں :۔ "فرمایئے؟"

احمد بخش :۔ "اب تو آپ کی اپیل بھی خارج ہوچکی ہے، اگر آپ وعدہ کریں کہ آپ لاہور چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں گے تو ہم سردار صاحب پر زور دیکر آپ کو رہا کرا سکتے ہیں، مولانا ظفر علیخاں بھی سردار صاحب پر زور دے رہے ہیں"

میں :۔ "آپ مجھے کہاں بھیجنا چاہتے ہیں؟"

احمد بخش :۔ "جہاں آپ مناسب سمجھیں"۔

میں :۔ "کیا یہ ضروری ہے"؟

احمد بخش :۔ "جی ہاں"

میں :۔ "اچھا تو پھر سردار صاحب سے میرا سلام کہئے، اور پیام دیجئے کہ میں اس ذلت کی رہائی سے موت کو ترجیح دیتا ہوں"

سردار احمد بخش سنتے ہی مسکرا دیئے، داروغہ سے کچھ کہا، اس نے مجھے اندر چلے جانے کا حکم دے دیا۔ کچھ دیر بعد داروغہ میرے پاس آگیا اور کہا "آج سے میرے دل میں تمہاری عزت بڑھ گئی ہے"۔ غالباً یہ فقرہ اس نے محض اس لئے کہا کہ وہ ذہناً نیشنلسٹ تھا اور عموماً پولیٹیکل قیدیوں کی مدد کیا کرتا تھا۔

آخر سال گذر گیا۔ رہائی سے کچھ دن پہلے میرے پاس میاں فیروز الدین احمد اور حافظ محمد یعقوب آئے اور دوبارہ اتحاد ملت میں شمول کی دعوت دی۔ لیکن میں نے دو ٹوک انکار کردیا۔ چند روز پیشتر مولانا مظہر علی ملے اور کچھ کہے سنے بغیر رخصت ہوگئے، ایک دن پہلے احرار کے بہت سے کارکن آگئے اور احرار میں شمول کی دعوت دی۔ میں نے ہامی بھرلی۔

بس روز رہا ہوا اکثر احرار دوست جیل کے دروازے پر موجود تھے، کچھ اتحاد ملتی بھی تھے۔ لیکن میں نے پھاٹک سے باہر قدم رکھتے ہی سب سے معانقہ کیا۔ اور احرار کے ہمراہ ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ سینکڑوں احرار رضاکار اچھرہ کے موڑ پر سلامی کے لئے کھڑے ہیں۔ وہ یہاں تک بھی آجاتے لیکن محض اس لئے نہیں آئے کہ اتحاد ملت نے مشہور کر رکھا تھا کہ شورش نے احرار کے جھانسے میں آنے سے انکار کردیا ہے۔ اور وہ رہا ہوتے ہی مولانا ظفر علیخاں سے معافی مانگنے کے لئے دفتر "زمیندار" میں حاضر ہوگا۔

سینکڑوں سرخپوش رضاکاروں نے نعرہ ہائے تہنیت اور بینڈ کی عسکری دھنوں کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا مجھے شہر کے مختلف حصوں میں لے جایا گیا۔ اور یہ پہلا دن تھا جب میں نے احرار کی ہمنوائی کا آغاز کیا۔

۲۷۔ فروری ۱۹۳۹ء کا دن۔

شام کو دہلی دروازے کے باہر چودھری افضل حق مرحوم کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے ایک جذباتی سی تقریر کی۔ اس میں کوئی دردلبست نہ تھا۔ لیکن اس میں اس بات کا شکوہ ضرور تھا کہ شہید گنج کا المیہ لوگوں نے یوں فراموش کردیا جیسے کبھی یہ واقعہ ہی پیش نہیں آیا تھا۔

وہ دوست جو احرار سے اختلاف رکھتے تھے لیکن میرے قریب تھے، انہوں نے میرے شمول پر دوستانہ ناراضی کا اظہار کیا۔ بعض اتحاد ملتی دوست جن کے اخلاص میں کلام نہیں تھا اس بات سے خفا بھی ہوئے لیکن میرے لئے اپنا فیصلہ بدلنا آسان نہ تھا۔

سید حبیب کے چھوٹے بھائی سید عنایت شاہ مرحوم میرے محسنوں میں سے تھے ان سے تعلق کا ایک خاص سانچہ بن چکا تھا، اور میری زندگی میں غالباً تنہا وہ شخص تھے جن کی رائے سے مجھے اختلاف بھی ہوتا تو میں اپنی رائے ان کی رائے میں مدغم کردیتا تھا، وہ انسان کے وجود میں فرشتہ تھے جن لوگوں نے انہیں قریب سے دیکھا اور ان کے ساتھ تعلقات پیدا کئے وہ بے روک ہوکر کہہ سکتے ہیں کہ مرحوم ان گنت خوبیوں کے مالک تھے، ان کا دل قومی حمیت سے لبریز تھا۔ ان کا دماغ ٹھنڈا اور دل نرم تھا، وہ کسی کے دشمن نہیں تھے سب کے دوست تھے، ان کے دروازے اور دل کو ہر شخص دستک دے سکتا تھا، میں نے، جب تک وہ بقید حیات رہے ہر مسئلہ میں ان سے مشورہ لیا اور جتنا سچا اور مخلصانہ مشورہ انہوں نے دیا مجھے آج تک ان کے نتائج کی صحت پر بھروسہ ہے، وہ مجھے اپنے بیٹوں کی طرح بیٹا سمجھتے تھے، اور میں بھی والد ہی کی طرح ان کی عزت کرتا تھا۔ احرار میں شمول کے وقت میں نے ان سے مشورہ کیا تھا اور وہ اس سے متفق ہوگئے تھے، کیونکہ چودھری افضل حق مرحوم کی شخصیت نے ان پر بھی کافی اثر ڈالا تھا۔ اور عموماً کہا کرتے تھے کہ چودھری قرن اول کے مسلمانوں کی ایک بچھڑی ہوئی انسانی یادگار ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا سنگ بنیاد رکھا جارہا تھا، خان افتخار حسین کے والد نواب شاہنواز آف ممدوٹ جو فی الحقیقت ایک وضعدار مسلمان تھے، اس کوشش میں تھے کہ صوبہ میں لیگ کو اچھے کارکن مل جائیں۔ انہوں نے بعض احباب سے مجھے لیگ میں لانے کے لئے کہا۔ کچھ لوگوں نے میری طبیعت کو جانتے ہوئے انکار کردیا۔ کچھ نے نواب صاحب کی بات کاٹ دی۔ کہ آپ کس واہمہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ تو ایک فضول آدمی ہے مگر ایک دو ایسے بھی تھے جنہوں نے نواب صاحب کی خواہش کو سرانجام دینے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان احباب میں سے ایک دوست میر عبداللہ زرگر تھے میر صاحب بھاٹی دروازہ امرتسر میں سنار کی دکان کرتے اور مقامی لیگ کے کھاتے پیتے کارکنوں میں سے تھے، آجکل سٹ چند کراچی میں مقیم ہیں اور سنٹرل بازار میں سناری کی دکان کرتے ہیں۔ میر صاحب میرے پاس تشریف لائے اور مجھے گھر سے بلاکر دہلی مسلم ہوٹل میں لے گئے۔ انہوں نے ہیچ پیچ کے بغیر اپنا مدعا بیان کرنا شروع کردیا۔

مجھے نواب ممدوٹ نے بھیجا ہے، وہ چاہتے ہیں تم لیگ میں آجاؤ وہ اس سلسلہ میں تمہاری مالی مدد کرنے کے لئے بھی تیار ہیں، انہیں تمہاری موجودہ حالت کا کافی احساس ہے اور وہ چاہتے ہیں تمہیں رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بھی لے دیں ــــ پہلے مالی حالت سدھار دیں اور کچھ کرنا۔ نواب صاحب نے مجھے وعدہ لیکر تمہارے پاس بھیجا ہے۔

میر صاحب نے کچھ اس انداز میں باتیں کیں کہ میں نے انہیں دوٹوک جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ ان کا لب ولہجہ انتہائی خوشگوار اور دوستانہ تھا۔ صرف یہ عرض کیا :۔

"آپ کا مشورہ سر آنکھوں پر۔ نواب صاحب کو میرا سلام کہیئے اور جو بات آپ کہہ رہے ہیں اس کا جواب سید عنایت شاہ ہی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ میں انہی کے مشورہ سے کوئی قدم اٹھاتا ہوں، وہ کہیں تو میں آج احرار کو ترک کرکے لیگ میں آسکتا ہوں"۔

میر صاحب میری بات مان گئے اور دفتر "اداکار" میں شاہ صاحب سے ملنے کے لئے میرے ہمراہ گئے، وہاں شاہ صاحب سے علیحدہ گفتگو ہوئی۔ میر صاحب کہتے تھے کہ شاہ صاحب نے نواب صاحب کی تمام پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور صرف اتنا کہا کہ اگر آپ یا نواب صاحب میرے بیٹوں کے متعلق اس قسم کا سودا کریں تو شاید مجھے کوئی انکار نہ ہو۔ لیکن میں شورش کے متعلق اس قسم کا خیال بھی اپنے دماغ میں نہیں لا سکتا۔ میں اس خیال کو باطل کرنا چاہتا ہوں کہ ہر فرد بیچ خریدا جا سکتا ہے اور ہر کارکن کی قیمت ہے؟

میر صاحب نے اصرار کیا کہ شورش نے بات آپ کے ذمہ ڈال دی ہے، آپ چاہیں تو بات سدھر سکتی ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ میر صاحب! آپ شورش کو نہیں جانتے۔ میں نے اسکے دل کی بات کہی ہے، شورش کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں مان لیتا۔ شورش کا آپکو میرے پاس بھیجنا ہی اس کا اکرام تھا۔

پیشتر اس کے کہ میں احرار کا ذکر چھیڑوں کچھ واقعات ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، ایک لطیفہ سنئے :۔

میں سردار سکندر حیات کی کوٹھی پر جھنڈا لے کر گیا تو جھنڈا جلانے سے پہلے یہ کوشش ہوتی رہی کہ کسی طرح رک جاؤں اور جھنڈا نہ لے جاؤں ایک معزز مہمان نے اس کا ذمہ لیا اور میری اعانت کے نام پر سردار صاحب سے دو سو روپے نقد لے لئے، مجھ پر اس کا انکشاف اس وقت ہوا۔ جب میر مقبول مجھ سے جیلخانے میں ملے۔ اور انہوں نے بتایا کہ تمہاری دیانت سے کام نہیں لیا۔ سردار صاحب کے دوسو روپے بھی لے لئے اور ان کی عزت پر بھی حملہ کیا؟

ادھر یہ ہوا ادھر ایک نومسلمان صحافی نے کمال کر دیا۔ کانگریس کا ستیہ پال گروپ سکندر وزارت کے بالکل خلاف تھا۔ آنجناب میرے جھنڈا جلانے کے دوسرے ہی دن ڈاکٹر ستیہ پال کے پاس پہنچے۔ اور ان سے میری اعانت کے نام پر دو سو روپیہ ہتھیا لیا۔ اس کا پتہ بھی مجھے ایک رازدار دوست سے چلا۔ جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کے ایماء پر چیک کاٹ کر دیا تھا۔

اسی ضمن کا ایک اور واقعہ سن لیجئے۔ عجیب بات ہے کہ انتہائی عسرت کے باوجود مجھے اپنی عسرت کا احساس نہ تھا، بس ایک دیوانگی کا عالم تھا، رہا ہوا تو چودھری صاحب نے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

اقبال کوثر امرتسری

قائدِ اعظم

اَن گنت کارواں امیدوں کے　　رہگذاروں سے ہمکلام ہوئے
ایک مدت گذر گئی ہے تجھے　　چاند تاروں سے ہمکلام ہوئے

عصرِ حاضر کی داستانوں میں　　قابلِ ذکر بات کوئی نہیں
آشنائے حیات لاکھوں ہیں　　غمگسارِ حیات کوئی نہیں

بجلیوں کے ہجومِ رقصاں میں　　شاخ لرزاں ہے آشیانے کی
مسکرانے کے بعد بھی شاید　　ہم کو حسرت ہے مسکرانے کی

قلب گو مطمئن سے ہیں لیکن　　درد سے آشنا نگاہیں ہیں
یعنی انسانیت کے دامن میں　　چند آنسو ہیں چند آہیں ہیں

یہ سفینہ رواں دواں ہی سہی
ناخدا کو مگر ترستا ہے
زندگی کی مہیب راہوں میں
آج بھی کارواں بھٹکتا ہے

شہزاد احمد شہزاد

قائدِ اعظم

شبِ غم ستارا سا اک مسکرایا
اور اس کی کرن
جنگلوں، کوہساروں، چٹانوں کو پُر نور کرتی ہوئی
شہر کی ان عمارات اور جھونپڑوں تک بھی پہنچی
کہ جن پر کئی سال سے تیرگی چھا رہی تھی

یکایک وہ تارا وہ نایاب تارا
بہت تیز چمکا بہت جگمگایا
محلوں میں سوئے ہوئے لوگ جاگے
دریچوں کی جانب بڑھے اور دیکھا
کہ اک روشنی ہر طرف اپنے دامن کو پھیلا رہی ہے
دکانوں دریچوں گھروں اور گلیوں میں اک روشنی رقص فرما رہی ہے
اِدھر رہگذر منزلوں تک نظر آ رہی ہے

وہ بولے "چلو دوستو ہم سفر کے لئے پھر کمر باندھ لیں
کہ بڑی مشکلوں سے یہ پُر نور تارا دکھائی دیا ہے
ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سویرا ہوا ہے"

وہ سب جا رہے تھے
امیر اور مزدور
غلام اور آقا
وہ سب جا رہے تھے
وہ سب اپنی منزل کی جانب بڑھے جا رہے تھے
وہ بڑھتے گئے اور بڑھتے گئے اور بڑھتے گئے
انھیں اپنی منزلِ امیدوں کا مرکز
بہت دُور ہی سے نظر آ رہا تھا

اچانک وہ تارا بجھا
تیرگی جنگلوں کوہساروں چٹانوں پہ پھر راج کرنے لگی
اور اُن کے خیالوں میں تاریکیاں رقص کرنے لگیں
ہر اک سمت اک مُردنی چھا گئی
اور خموشی سے فریاد ہونے لگی

یکایک اسی کارواں سے کئی شخص بولے
"چلو دوستو اور بڑھتے چلو اور بڑھتے چلو
ہمارا ستارا درخشاں ستارا
ہمیں راستے کے خم و پیچ سے آشنا کر گیا ہے
اگر اب یہ رستہ اُجالوں سے محروم ہے جب بھی کیا ہے
ہم اپنی امیدوں کے مرکز کی جانب بڑھے جا رہے تھے
بڑھے جا رہے ہیں

بشیر اختر

پنجاب کے مسئلہ کا حل

پنجاب کے اس زخم کو سب محسوس کر رہے ہیں کہ اس کی اہانت کی گئی ہے اور اب تک اس کی اہانت پر وہ لوگ مصر ہیں جنہیں پنجاب کی لیڈر شپ ایک منفعت استخواں نظر آتی ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ پنجاب کی لیڈرشپ سے غلطیاں ہوئیں، وہ بہ حیثیت ریگ خام ملی تھی اور ان کے گرد و پیش جن لوگوں کا کھٹ تھا انہوں نے ذاتی منفعت کو قومی مفاد پر ترجیح دی۔ لیکن آج جس ترازو میں پنجاب کی قیادت کو وزن کیا جا رہا ہے اور جس پیمانے سے ان کی خطاؤں کو ماپنے کی کوشش کی گئی ہے کیا اس ترازو میں انصاف کے وہ پلڑے نہیں تل سکتے جن کی جبین اقتدار پر پنجاب کا نام آتے ہی بل پڑ جاتا ہے اور وہ بھڑکنے لگتے ہیں جیسے ان کے سامنے کوئی قاتل کھڑا ہے، حالانکہ پنجاب مقتول ہے، شہید ہے، زخمی ہے، بسمل ہے، اور پاکستان کی انگوٹھی کا ایک ایسا نگینہ ہے جس کی آب سے ہاتھ جگمگا رہا ہے۔!

کیا پنجاب کے محاسبوں نے یہ بھی سوچا کہ وہ جس پنجاب کو گردن زدنی قرار دے رہے ہیں اس نے پاکستان کی کیا قیمت ادا کی؟ اور جب پاکستان بن گیا تو اس نے کن حالات کا مقابلہ کیا؟ پنجاب نے اپنی پیٹھ پر لاکھوں مہاجروں کا بوجھ اٹھایا۔ اور جس قیادت میں آج مین میکھ نکالی جا رہی ہے اس نے ان برہم حالات کا سامنا کیا جب لوگوں کی آنکھوں سے شرارے برستے تھے، اور وہ اپنے دست و بازو کو تلوار کا رنگ دے رہے تھے؟

یہ ٹھیک ہے کہ چاروں طرف متروکہ اموال کے ڈھیر دیکھ کر خائنوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا اور اچھے اچھے رہنماؤں نے بھی اس دولت سے اپنے ہاتھ رنگے، مگر جس ڈھب سے حالات کا سیلاب ابھرا اور جس تحریک سے یہ لوگ برگ و بار تھے اس کا یہی نتیجہ ہونا تھا ——

آپ ایک ترازو لیجئے اور اس میں اوپر سے نیچے تک سب کو تولئے، ایک حد کو چھوڑ کر کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا پلڑا اوپر کو اٹھا ہوا ہے اور فلاں کا پلڑا زیادہ سے زیادہ نیچے کو جھکا ہوا ہے؟ یہ نہیں تو جرائم کی ایک فہرست تیار کر لیجئے اور اس کو معیار بنا کر سب پر ایک نظر ڈالئے کیا پنجاب ہی کا نامۂ اعمال سب میں مجرمیت سے آلودہ ہے؟ اور پنجاب ہی کو ہدف مطاعن بنانا لازم ہے؟

یہ کہنا کہ پنجابی و غیر پنجابی کی بحث سے پاکستانی قومیت ذبح ہوتی ہے، اور صوبائی تعصب جڑ پکڑتا ہے، اپنی جگہ درست ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے اس کا حقیقی مجرم کون ہے؟ پنجاب یا وہ لوگ جنہوں نے اس سوال کو اپنے قول و فعل سے تقویت پہنچائی، اور اب تک پنجاب کے جیب و داماں میں رسوائی کے کھوٹے سکے ڈال کر بزعم خود مطمئن ہیں کہ تیر نشانہ پر بیٹھا ہے،

سندھ کو اپنے سندھی ہونے پر ناز ہے، سرحد اپنی سرحدیت پر مغرور ہے، بلوچستان کو اپنے بلوچی ہونے کا فخر ہے، مگر پنجاب ہی وہ صوبہ کیوں ہے جس کو اصلی اخلاقی قدروں کے سبق پڑھائے جا رہے ہیں۔ اور اس کی رہنمائی کو مسلسل پراپیگنڈے سے اس درجہ گرا دیا ہے کہ پنجاب کی سیاسیات کی تماشا گاہ میں سیاسیات کی پیشانی پر قطرۂ انفعال معلوم ہوتا ہے؟

کیا سندھ کی لیڈر شپ کا مزاج پنجاب کی لیڈرشپ سے پاکیزہ تھا جن لوگوں نے دریائے سندھ کی گزرگاہ کی طرح ہر آن اپنے عقیدے اور اپنے اصول بدلے ہوں وہ پنجاب سے فوقیت کا دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں۔ کیا خان عبدالقیوم خان سرحد پر سرحد کی مرضی کے خلاف مسلط نہیں ہیں؟ اور کس معیار سے حساب کیا جا سکتا ہے جس معیار سے پنجاب کی قیادت کی پرکھ کی گئی ہے۔ یا پرکھی جا رہی ہے، پھر بلوچستان کے قاضی عیسیٰ سے کون ناواقف ہے؟

آخر ایک عمومی انسان یہ کیوں نہ سوچے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی زبان پر اسلامیت ہے لیکن فی الاصل وہ صوبائی تعصب کا شکار ہیں اور ان کی روش سے مجھ ایسا پنجابی بھی یہ سوچنے لگتا ہے کہ پنجاب کو ذلیل کیا جا رہا ہے اور اس ذلت میں دشمن کوئی نہیں سب دوست ہیں!

بعض "انقلابی" طبع کے نوجوان رہ رہ کے وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا، پنجاب کی اس تکرار کو عوام کے لئے رحمت خیال کرتے ہیں اور چند ایک زبانوں پر کلمۂ شکر ہے کہ ان خاندانوں میں آویزش کی آگ سلگ اٹھی۔ جن کی بھٹی میں عوام ایک مدت تک کوئلے کی طرح سلگتے رہے ہیں۔ مگر بحالات موجودہ وہ اس چپقلش کے پیش آئند نتیجوں سے نابلد ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ جس خیال کا شکار ہیں وہ خام بھی ہے اور پوچ بھی۔

ممدوٹ خائن، دولتانہ سازشی، فیروز خاں نون متروک، افتخار الدین کمیونسٹ، غضنفر علیخاں غائب، مشتاق احمد گورمانی امیدوار، عبدالباری بدنام، تو کیا آسمان سے ستارے اتریں گے کہ وہ پنجاب کی قیادت کا بیڑہ اٹھائیں اور آفتاب آئے گا کہ ان کے سفر منزل کی خاطر چراغ راہ بن جائے، عوام کی وہ نبض جس پر راقم الحروف کی انگلیاں ہیں دیکھئے تو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خلل و انتشار کے مرض سے ڈوب رہی ہیں، وہ سیاسی کفن جو پنجاب کی قیادت کو پہنایا گیا ہے وہ گویا پنجاب کا کفن بن رہا ہے، عوام برگشتہ ہیں اور ان کی برگشتگی ایک ایسے سانچے میں ڈھل رہی ہے جس کے آب و گل میں نافرمانی کا غصہ بھی ہے اور نفرت بھی؟

کیا لازم نہیں کہ ان حالات میں پنجابی قیادت دوبارہ متحد ہو۔ اور کچھ نوجوان ایسے نکلیں جو ممدوٹ کے تار گریباں سے دولتانہ کی چاک دامانی کو بخیہ کریں۔ اور میاں عبدالباری کے دامن کو نچوڑنے کی بجائے ان لوگوں کی تر دامنی پر بھی ایک نظر ڈالیں جنہیں عبدالباری اس لئے گوارا نہیں کہ وہ عوام میں سے ہے اور تن آسان قیادت کا دیرینہ پیرو ہونے کے باعث اس سے بھی بعض کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں؟

ممدوٹ خائن ہے۔ دولتانہ سازشی ہے۔ ملک فیروز خاں نون متروک العمل ہے افتخار الدین نیم دروں نیم بروں ہے۔ راجہ غضنفر علیخاں بیرون در ہے۔ مشتاق احمد گورمانی کو آگے لاؤ — لیکن تا تریاق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ خضر حیات راندۂ درگاہ ہے شوکت حیات۔ ——— ع

یہ ہے وہ لفظ جو شرمندۂ معنی نہ ہوا!

میاں عبدالباری ایک اللہ کے گنبد میں "امراء" کی شکست خوردہ آواز ہے —— اب یہ سکے پرانے ہو چکے ہیں، انہیں سیاسی ٹکسال نے جعلی قرار دیا ہے۔ پنجاب بے قافلہ ہے۔ ——— !

! —— اور یہ وہ آوازیں ہیں جو صوبے کے طول و عرض میں گونج رہی ہیں —— ! کیا پنجاب کی رہنمائی کے لئے آسمان سے ستارے اتریں گے۔ یا نصف النہار کا آفتاب!

جب اس بات پر سب متفق ہیں کہ پنجاب کی تذلیل ہو رہی ہے تو پھر سب کیوں نہیں سوچتے کہ اس تذلیل کے ازالہ کی صورت کیا ہے؟ ممکن ہے بعض منطقی لوگوں کی نظر میں میری یہ تجویز رجعتی ہو، اور وہ اس کو ایک عجیب و غریب صدا کا نام دیں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ پہلے یہ منتشر شیرازہ یکجا ہو۔ کیونکہ سوال اب قیادت کی رسوائیوں سے بڑھ کر پنجاب کی اہانت تک پہنچ گیا ہے، اور اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہم اپنے لیڈروں سے دو ٹوک کہہ دیں کہ یا تو اکٹھے ہو جاؤ یا سیاسیات سے دست کشی کا اعلان کر دو۔ تیسری راہ کوئی نہیں ہے؟ اور وہ لوگ جو ہمارے انتشار سے فائدہ اٹھا کر انا الحکم الاعلیٰ کا مرقع بنے پھرتے ہیں ان سے کہیں، بندۂ خدا ذرا اپنے بند قبا بھی دیکھئے اور ہاں یہ آپ کے دامن پر کس کے دھبے ہیں؟

ذرہ ذرہ اس زمیں کا گوہر نایاب ہے
مری امیدوں کا محور خطۂ پنجاب ہے
(اسرار الصبری)

یہ کشت مرے خون سے جو سیراب نہ ہو گی
شورش کبھی بیداریٔ پنجاب نہ ہو گی
(شورش کاشمیری)

حاسدان تیرہ باطن کو جلانے کے لئے
تجھ میں اے پنجاب اقبال و ظفر پیدا ہوئے
(ظفر علیخاں)

اختر شیرانی

اُردو ادب کا اخترِ تاباں چلا گیا
اک ہمنشینِ زہرہ جبیناں چلا گیا

اک نوحہ تیرتا ہے ہواؤں کے دوش پر
لالہ طرازِ بزمِ گلستاں چلا گیا

"ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اُداس ہیں"
جانے کہاں وہ شاعرِ رِنداں چلا گیا

عذرا ہے سوگوار تو سلمیٰ ہے اشکبار
اک رازدارِ حلقۂ خوباں چلا گیا

اب کے جنوں میں چاکِ گریباں کی خیر ہو
افسانۂ بہار کا عنواں چلا گیا

دامانِ زندگی کو بھگو کر شراب میں
امیدوارِ رحمتِ یزداں چلا گیا

اب داستانِ عشقِ زلیخا کہے گا کون؟
اختر گیا کہ یوسفِ کنعاں چلا گیا

اس دور میں تھا حافظ و خیام کا جواب
شعر و سخن کا ماہِ درخشاں چلا گیا

شورش کاشمیری

پچھلے سال اختر شیرانی کا جنازہ اٹھاتے وقت یہ شعر ارتجالاً ہو گئے تھے۔ اشاعت کا موقع ملا۔ اب شائع کر رہا ہوں۔ (شورش کاشمیری)

مدیر "چٹان" کے نام

(۴) چار ادیبوں کے خطوط

- ماہر القادری
- رئیس احمد جعفری
- تاجور نجیب آبادی
- اختر شیرانی

ماہر القادری

(۱)

برادرِ گرامی قدر!

ہدیہ سلام و رحمت! میں نے ۲۹ مارچ کو اپنے ذاتی رسالہ "فاران" کا پہلا شمارہ آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ تیسرا اور چوتھا روک دیئے۔ آج اپریل کی ۲ تاریخ ہو گئی مگر "چٹان" تبادلہ میں نہیں آیا۔ کیا "فاران" آپ کو نہیں ملا؟ اور اگر مل گیا تو غالباً ہفتہ وار اور ماہانہ کے "رقمی تفاوت" کے سبب آپ کا دفتر اس "give and take" کے لئے تیار نہ ہو سکا۔ خیر! میں اصرار نہیں کرتا۔ آپ کے یہاں کے جو قواعد و ضوابط اور اصول ہوں ان کی پابندی فرمائیں اور میرے لئے کوئی رعایت نہ برتیئے!

آپ نے جس جرأت اور بیباکی کے ساتھ اس نام نہاد "ترقی پسند ادب" کے خلاف جہاد کیا ہے اس نے قدرشناس ادیبوں اور شاعروں کی جرأتیں بڑھا دی ہیں۔ اُردو ادب کی تاریخ میں آپ کا یہ کارنامہ سچ مچ سنہری حروف میں لکھا جائیگا۔ "گرانیِ محمل" بڑھتی جا رہی ہے اس لئے "حدی" کو تیز تر کرتے رہیئے، اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے اور جزائے خیر عطا کرے کہ آپ نے اعلانِ حق میں کسی قسم کی مصلحت کی پروا نہیں کی۔

میں کئی سال سے مسلسل ان "آوارگانِ ادب" کے خلاف آواز اٹھا رہا ہوں مگر ہمنواؤں کی بہت کمی رہی۔ عام طور پر لوگ زمانہ کی ہوا کا ساتھ دینا چاہتے ہیں "زمانہ ستیز" طبیعتیں بہت کم ہیں۔

وہ شخص دھوکا دیتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں "ترقی پسند ادب" سے وابستگی اور لگاؤ رکھتا ہوں، اور کمیونسٹ نہیں ہوں، یہ پورا گروہ اشتراکیت زدہ ہے، ہاں، ان میں کچھ "گلابی" بھی ہیں۔ جو ذرا ادب کر بات کرتے ہیں، یہ منافقین کا گروہ ہے، جو کھُلے دشمنوں کے مقابلہ میں "دشنہ در آستین" ہونے کے سبب زیادہ خطرناک ہے، ان میں سے کسی گروہ سے بھی سمجھوتہ نا ممکن ہے اور نہ اس کی کوشش کرنی چاہیئے۔ بس دو ٹوک بات، کھلا ہوا فیصلہ۔ یا تو محبت، یا پھر نفرت اور بیزاری۔ محبت اور نفرت کے درمیان "راہِ نفاق" ہے جس پر چلنے والوں کو آخر میں یہ کہنا پڑتا ہے ؎

خارِ ترم کہ از سرِ شاخے دریدہ ام
محرومِ گلستانم و مردودِ آشیانم

بہرحال مخالفتوں کے طوفانوں میں بھی اس نیک کام کو جاری رکھئے عنقریب فضا بدل جائیگی۔

امید آپ خیریت سے ہونگے۔ والسلام

مخلص۔ ماہر القادری

ماہر القادری

(۲)

برادرِ گرامی قدر!

ہدیہ سلام و رحمت! "چٹان" کا تازہ ترین شمارہ نظر نواز ہوا۔ آپ کا "افتتاحیہ" پوری توجہ اور شوق کیساتھ پڑھا۔ دل نے "احسنت، مرحبا" اور ضمیر نے "جزاک اللہ" کہا۔ کاش! حکومتِ پاکستان دردمندوں کے خاموش احتجاج پر کان دھرے اور توجہ فرمائے!

حضرت مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی ذاتِ گرامی اسلام کا بہت گرانقدر سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان و قلم پر حق جاری کر دیا ہے، کتاب و سنت کے وہ سب سے بڑے مفسر ہیں، ہزاروں نوجوانوں کو مولانا مودودی کی تصانیف نے گمراہ ہونے سے بچایا ہے، مولانا مودودی کی ذات اور جماعتِ اسلامی کے ارکان کی کوششیں ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہیں، یہ جماعت خلوص، خدا ترسی اور پاکبازی کیلئے اس دورِ فتنہ و فسق میں "ضرب المثل" کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں بھی آپ ہی کی طرح ہوں، یعنی اپنی بداعمالیوں اور نفس کے تقاضوں کے سبب جماعتِ اسلامی میں شامل نہ ہو سکا، وہاں تو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنی خواہشوں کو اللہ کی مرضی پر قربان کر دیں!

پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے، "قراردادِ مقاصد" نے پاکستان کے اسلامی حکومت ہونے کا واضح طور پر اعلان کر دیا۔ تو اب حکومت کے اسلامی آئین کی تشکیل اور اس کے نفاذ کے لئے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے اسلامی فکر و نظر اور جماعتِ اسلامی کی مخلصانہ کوششوں اور صلاحیتوں سے کام نہ لینا ایک "حزنیہ" سے کم نہیں۔

مولانا مودودی اور ان کے رفقاء کی اسیری سے بے شمار قلوب ملول اور متاثر ہیں، اور یہ وہ قلوب ہیں جو اسلام اور پاکستان کی محبت سے لبریز ہیں۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے مولانا مودودی کی نظربندی کے بارے میں خوب کہا تھا کہ جس تیغ کو عریاں ہونا چاہیئے، آج وہ نیام میں بند کر دی گئی۔ مولانا مودودی کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے:-

"پورے پورے مسلمان بن جاؤ، اعمال اور عقائد میں یکسانی پیدا کرو، دورنگی اور نفاق چھوڑ دو، نگاہ سے دل تک اور سر سے پیر تک بندۂ مومن بنو......"

تو اس پیام کی زد اگر "لوگوں" کے اعمال و کردار پر آ کر پڑتی ہے تو بیچارے ابو الاعلیٰ کا اس میں کیا قصور ہے، سچائی کسی کی خوشی اور ناخوشی کی پروا نہیں کرتی!

دُنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے، پریشانیاں بھی گذر ہی جاتی ہیں، اور عیش و عشرت کو بھی ٹھہراؤ نہیں۔ ع

شبِ سمور گذشت و شبِ تنور گذشت!

مگر ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جہاں شہنشاہ بھی ملزموں کی صف میں کھڑے ہوں گے اور ایک ایک ذرہ کا انصاف ہو گا۔ اس دن کی باز پرس سے عوام و خواص کو بچنا چاہیئے۔

والسلام مع الاکرام

مخلص۔ ماہر القادری

۳۰۔ اگست ۱۹۴۹ء

رئیس احمد جعفری

(۳)

جنابِ مکرم تسلیم!

شاید آپ کے گوشۂ دماغ میں اس خاکسار کا نام محفوظ ہو ؎

شہرت نہیں مجنوں کے برابر یہ مسلّم
ایسے بھی نہیں ہیں کہ نہ جانے ہمیں کوئی!

بمبئی آپ بارہا تشریف لائے ہیں۔ اگرچہ ملاقات کبھی نہ ہو سکی۔ لیکن تحریری و تقریری تبادلۂ خیال کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

میں بھی گذشتہ دو سال سے یہیں مقیم ہوں، چند روز ہوئے اپنے دوست چودھری اقبال سلیم کے ہاں "چٹان" کا ایک پرچہ دیکھا۔ ایک خاص باب پر نظر پڑی۔ آپ اپنے تجرباتِ حیات جس کے ماتحت مستقل طور پر شائع کر رہے ہیں۔ ایک ہی نشست میں سارا مضمون اور سارا پرچہ پڑھ لیا مجھے آپکا یہ سلسلہ بہت پسند آیا۔ براہ کرم آپ "چٹان" کے اب تک کے تمام پرچے بذریعہ وی پی مجھے ارسال فرمائیں۔ اور اب سے پرچہ مجھے مفت بھیجیں، کبھی کبھی قلمی معاونت میں بھی کرتا رہوں گا۔

نیازمند

رئیس احمد جعفری

اختر شیرانی

(۴)

ہندی باغ ٹونک۔

عزیزم شورش سلمہ

تمہارا خط ملا۔ چاہا کچھ لکھوں، لیکن طبیعت آمادہ نہ ہو سکی۔ لاہور کیا چھوٹا رنگ و بو کی دُنیا اُجڑ گئی۔ کئی ماہ سے یوں پڑا ہوں جیسے صحرا کی ویرانی ہوتی ہے۔

میرے سوانح لکھ کر کیا کرو گے، یہ ایک شعر تمام زندگی کی تصویر ہے ؎

ہر کسے را دامنِ تر ہست اماد بگراں
بازی پوشند و ما در آفتاب انداختہ

سلمیٰ کون ہے؟ اس سوال کا جواب جتنا تم نے آسان سمجھا ہے اتنا آسان نہیں۔ سلمیٰ میری شاعری کی روح ہے اس کو میرے شعروں میں تلاش کرو، وہ سلمیٰ جس کی تمہیں تلاش ہے اس کی تشہیر عصمتِ عشق کے خلاف ہے۔

ہاں! وہ تمہاری غزل یا نظم، جس کا آخری مصرع تھا ع

میں ان خطوں پہ جوانی نثار کر دوں گا!

نظر سے گذری۔ محسوس ہوتا تھا تم نے میرے تخیل سے چوری کر کے اپنے خطیبانہ الفاظ میں ڈھال دی ہے۔ کبھی کبھار تمہارے خیالات کے بعض فقروں کا درد طبیعت پر جادو سا کر دیتا ہے، یوں جیسے سلمیٰ کی گھنیری پلکوں کے خنک سایہ سے دماغ و دل حظ اٹھا رہے ہوں۔

فی الحال چھپنے کی کوشش کر رہا ہوں، زندگی نے وفا کی تو مستقبل قریب میں لاہور آؤں گا، یقینی ناؤ ہو گئے در و دیوار سے مجھے اُنس ہے۔ میں نے اسکی گود میں پرورش پائی ہے اور اسی کی گود میں مرنا بھی چاہتا ہوں۔

والدعا۔ اختر شیرانی

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

اختر شیرانی کے خطوط سجاد ہاشمی کے نام

اختر شیرانی کا انتقال ۹ ستمبر ۱۹۴۸ء کو میو ہسپتال میں ہوا تھا، قائد اعظم کی وفات کے روز گیارہ ستمبر کو میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کئے گئے اور اب ان کی قبر کا نشان بھی ناپید ہے۔ آج ان کی موت کو ایک سال ہوتا ہے۔ اس یاد میں ہم ان کی ایک غیر مطبوعہ نظم اور بعض غیر مطبوعہ خطوط شائع کر رہے ہیں، یہ خطوط انہوں نے سجاد ہاشمی کو لکھے تھے، سجاد، مرحوم کے جگری دوستوں میں سے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی کے دس سال اختر کے ساتھ گذارے ہیں۔ آپ عنقریب اختر کی عمر کے آخری حالات زندگی پر "چٹان" میں مقالات شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (مدیر)

(۱)

مہندی باغ۔ ٹونک راج۔

عزیز من سلمہ۔ دعا، خط پہنچا میں تو سمجھا تھا کہ اب تم نے قیامت ہی میں لکھنے کا وعدہ کیا ہے مگر تم نے زندگی کا ثبوت دے دیا۔ مجھے تم سے بہت سی شکایتیں تھیں مگر اب سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں، سوائے اس کے کہ میں آجکل سخت مالی پریشانیوں میں مبتلا ہوں، اس لئے جو کچھ اور جس طرح بھی بھجوا سکتے ہو فوراً بھجواؤ۔

میرے موجودہ مشاغل کے سلسلہ میں میری نظم "میرا موجودہ مشغلہ" تمہاری نظر سے گذری یا نہیں، غالباً "ادبی دنیا" کے اکتوبر نمبر میں شائع ہوئی ہے اسے ضرور پڑھنا۔

لاہور آنے کو میرا خود جی چاہتا ہے، مگر ؏

راہ ملتی نہیں ان دشت کے آواروں کو!

موقع کی تلاش میں ہوں!

وفا صاحب کی شادی کا دعوت نامہ بہت بعد از وقت ملا تھا۔ میں دہلی گیا ہوا تھا۔ امید ہے وہ مسرور و "شگفتہ" ہونگے سلام کہہ دینا۔

تمہاری کاروباری ترقی کے لئے دست بدعا ہوں۔ والدعا۔

تمہارا۔ اختر

(۲)

مہندی باغ۔ ٹونک (راجپوتانہ)

عزیزی سجاد۔ دعا، خط پہنچا۔ والد کی طبیعت اب ٹھیک ہے برسات کا موسم دمہ کے لئے خطرناک ہوتا ہے، وہ گذر چکا ہے۔ میرے حالات کی بہتری کا انحصار دو تین کتابوں کی اشاعت اور پرچے کے اجرا پر ہے، اس کا انتظام کیونکر ہو؟ انجمن سے "جوامع الحکایات" کے ترجمہ کا جو معاوضہ ملیگا وہ معلوم نہیں کیا ہو، ایک تجویز ذہن میں آئی ہے جس سے کچھ روپیہ اور مل سکتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کتاب کا Dedication کسی ایسے شخص کے نام کر دیا جائے جو دو سو سے زیادہ روپیہ دیدے۔ تمہارے سیٹھ محمد دین یا اس حیثیت کے کوئی صاحب آمادہ ہو جائیں تو تعجب نہیں۔ یا ندرت کے مشاعرے پر ان کا پانچسو روپے سے کم خرچ نہ ہوا ہوگا۔ وہ وقتی واہ واہ تھی۔ آج کسی کو یاد بھی نہ ہوگا۔ یہ "تبرعیہ" اس وقت تک زندہ رہیگا۔ جب تک میں اور انجمن ترقی اردو زندہ ہے۔ تم فوراً ان کو خط لکھ کر تمام حالات اور استصواب کرو، کتاب کے متعلق یہ لکھدو کہ حضرت عوف (جو آنحضرت صلعم کے صحابی تھے) کی اولاد میں محمد عوفی گذرا ہے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہندوستان آیا اور اس کی طرف سے کھمبایت کا جج مقرر ہوا۔ اس نے یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے آخر میں لکھی تھی۔ فارسی میں حکایات کی اتنی بڑی کتاب نہیں لکھی گئی۔ وغیرہ، وغیرہ۔

"شاہکار" سے میری نظمیں نقل کر کے بھیجو جو میری ادارت سے پہلے شائع ہوئی ہیں۔ صرف ایک نظم ہے جو میری ادارت سے ایک ماہ پہلے شائع ہوئی تھی۔ "ادبیات" عنوان سے "ادب لطیف" میں نظمیں قدیم کے زمانے میں شائع ہوئی ہیں ان کی نقلیں بھی بھجواؤ۔ جلد ہی کر دو۔ انجم رومانی کہاں غائب ہیں؟ ان حضرت کے پاس میرا تمام کلام موجود ہے۔ ملاقات ہو تو وہ بھی جو میں اب لکھوں گا۔ ان کا پتہ بتلاؤ اور لاہور کہ دوبارہ مجھ پر عنایت کریں "جوامع الحکایات" بھجواؤں گا۔ سر دست مقدمہ لکھنے کی وجہ سے کتاب رکی ہوئی ہے، بمبئی فوراً خط لکھو تاکہ کتاب کا مرحلہ طے ہو جائے۔ تمہارے متعلق دو تین اشعار تیسری جلد میں ہونگے کیونکہ تم سے زندگی کے تیسرے دور میں ملاقات ہوئی۔

کتابیں جلد بھجواؤ۔ اور بڑے صاحب کو سلام اور پیار پہنچانا یہ بھی کہہ دینا کہ ان کا بمبئی والا خط مجھے بہت بعد از وقت ملا۔ بچوں کی غلطی سے ایسا ہوا۔

عزیزی ندیم سے اب "بے پروائی" کے سوا کوئی توقع نہیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ لاہور والوں کی صحبت ایک معصوم اور فرشتہ صفت نوجوان کو تباہ اور اس کے اخلاص کو زنگ آلود کر دے گی، یہ اندیشہ صحیح نکلا ؏

ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد!

یہ سطریں ان کو دکھا دینا۔ ؏

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے!

ارے میاں تمہارا بچپن ابھی تک نہیں گیا۔ بھلا یہاں میرے پاس رسالے اور کتابیں کہاں سے آئیں۔ انجمن کی دو تین کتب ہیں منتخب التواریخ وغیرہ ہیں جن پر کام کر رہا ہوں۔ باقی نام اللہ کا!

نواب سراج الدولہ کے حالات کے متعلق ہندوستان بھر میں سب سے زیادہ مفید معلومات کی طرف تمہاری رہنمائی صرف ایک شخص کر سکتا ہے، یعنی نواب زادہ اے، ایف، ایم عبد العلی ایم اے ریکارڈ کیپر گورنمنٹ آف انڈیا۔ (کلکتہ) معلوم نہیں ریٹائر ہو گئے یا نہیں؟ وفا صاحب سے معلوم کرو، یا وہ کسی کلکتہ کے دوست سے پتہ دریافت کر دینگے۔ ناصر کاظمی، تابش کے دوست ہیں انہی کی معرفت غائبانہ تعارف ہوا۔ ایک دو سانیٹ درست کئے۔ پچھلے ہفتے خط آیا تھا۔ معروفیت سے ابھی تک جواب نہیں دے سکا۔ کوئی خاص بات؟ وفا صاحب کو بہت بہت سلام۔ والسلام

تمہارا۔ اختر۔

(۳)

مہندی باغ۔ ٹونک (راجپوتانہ)

عزیز من سلمہ۔ دعا۔ ناگپور میں کچھ دن مزید ٹھہرنا پڑا۔ واپس آیا تو والد کو دمے کے دورے پڑ رہے تھے جے پور علاج کے لئے لے جایا گیا۔ الغرض ان ہنگاموں میں خط کا جواب جلد نہ دے سکا۔

نئے رسالے کے اجرا کے متعلق کیا لکھوں؟ دہلی مناسب جگہ ہے ٹونک اور لاہور دونوں قریب رہتے ہیں۔ فی الحال "زرنگاری عشق" بڑا جو "دلالی اصمون" ہے، تمہارا کاروبار کس منزل پر ہے، دعا ہے خدا روز افزوں ترقی سے ہمکنار کرے۔ میرا مشغلہ برائے نام ہے، انجمن ترقی اردو کے لئے ایک کتاب کا ترجمہ کر رہا ہوں، ایک کا ختم کر چکا ہوں، مگر روپیہ ابھی نہیں ملا۔ دوسری کتاب کی طباعت کا انحصار اسی رقم پر ہوگا۔ دیکھیں کیا دیتے ہیں؟

"شاہکار" میں میری جتنی نظمیں اور غزلیں شائع ہو چکی ہیں ان کی نقلوں کی ضرورت ہے۔ تکلیف اٹھا کر جلد بھجواؤ۔ تاکہ دوسری جلد میں تمہارا شکر یہ بھی ادا کرنے کے قابل ہو سکوں۔

"کچھ اور رقم" بھجوا سکو تو جلد بھجواؤ۔ لیکن تکلیف ہو تو ضرورت نہیں۔ میرے حالات تو خراب سے خراب تر ہیں اور خدا جانے کب تک ایسے رہیں؟ امید ہے تم خیریت سے ہو گے، درانی صاحب کو بہت بہت سلام

والدعا۔ تمہارا۔ اختر

مکرر:۔

پچھلے خطوط میں یہ لکھنا بھول گیا کہ اپنے والد کے جن شاگرد کا تم نے ذکر کیا تھا۔ یعنی چنیوٹ کے وہ تاجر جو بمبئی میں رہتے ہیں ان سے بمبئی میں ملاقات ہوئی تھی۔ بلکہ ایک مشاعرہ انہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ انہوں نے مکان پر دعوت بھی کھائی تھی۔ (گو میں اس وقت کھانے کی "دھن" میں نہ تھا) تمہارا تذکرہ بھی انہی نے چھیڑا تھا۔

میرے پاس پڑھنے کو کچھ نہیں ہے، اپنے دوستوں سے انگریزی کے ناول چھین کر یا کباڑیوں سے دو دو تین تین روپے فی ناول خرید کر بھجوا سکو تو دل بہلنے کی صورت ہو۔ آئندہ بھی خیال رکھنا۔ (باقی صفحہ ۱۵ پر)

سجاد ہاشمی

دعا

یارب مجھے اندیشۂ چالاک عطا کر
اور دل کو مرے جرأتِ بیباک عطا کر

ہو جس کی نواؤں سے مرا خونِ جگر گرم
وہ نالۂ پُر سوز و طربناک عطا کر

وہ برق ہوں جو کوہ و بیاباں کو جلا دے
میرے لئے شایاں خس و خاشاک عطا کر

یا چھین لے سوزِ جگر و قلب بھی مجھ سے
یا مایۂ صد دیدۂ نمناک عطا کر

یا میرے تپِ سوزشِ پنہاں کو مٹا دے
یا ورنہ بھرا سینۂ صد چاک عطا کر

یا چھین لے اب دیدۂ کوتاہ نظر بھی
یا آنکھ کو میری نگۂ پاک عطا کر

ہو گردشِ افلاک بھی محکومِ کفِ خاک
مومن کو شہنشاہیٔ لولاک عطا کر

بقیہ۔ چار ادیبوں کے خطوط

تاجور نجیب آبادی

۔۔۔۔ ۵ ۔۔۔۔

شورش کاشمیری!

سلام مسنون۔ "چٹان" کا ہر شمارہ "چراغ محفل" ہر ہفتہ شوق سے پڑھتا ہوں۔ کبھی کبھار قلم کی لغزش سے بعض محاورے چھوٹ جاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ لکھ رہے ہو اس کی دلکشی میں کلام نہیں۔ میں نے بارہا محسوس کیا جیسے میں تمہارے ہم رکاب چل رہا ہوں۔

تمہیں یاد ہوگا، مرحوم لدھیانہ میں علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کی یاد میں ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ تم صدر تھے۔ لیکن "خاموش" حکومت نے تمہاری معروف گستاخیوں کے باعث تمہیں "زبان بند" کر رکھا تھا۔ میں نے اس موقع پر ارتجالاً دو شعر کہے تھے ؂

ادائے بد طینتی عزیز دوستاں خاموش ہے ٭ ہائے فردی اسیر کا روان خاموش ہے

آہ! یہ جور زباں بندی یہ لغزیر ہوا ٭ گلستاں میں عندلیب گلستاں خاموش ہے

بحمد اللہ! عندلیب گلستاں پھر سے نغمہ پیرا ہے۔ مگر دیکھو ان نغموں کو آہوں میں منتقل نہ کرو، ابھی مزاج چمن ناساز گار ہے۔

آج پرانے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا تو م حسن لطیفی کی ایک نظم مل گئی۔ اس خط سے منسلک ہے۔

دعا گو۔ تاجور نجیب آبادی

پیکِ امن

م حسن لطیفی صحافی کا ہدیہ تحسین آغا شورش کاشمیری کی شان میں

بتقریب منعقدہ مشاعرہ بمقام لدھیانہ پارک لدھیانہ ۲۶ جنوری ۱۹۴۹ء

چشم ملت میں مکیں کون ہے، آغا شورش
گوشۂ دل کے قریں کون ہے، آغا شورش

شعر و انشار کی بہاریں ہیں، بہاریں جس سے
وہ بہاروں سے حسیں کون ہے، آغا شورش

جس پہ بے تول خرانے بھی نگاہیں نہ ہوں سیر
بے بہا در ثمیں کون ہے، آغا شورش

جس کی جانکاہی ایثار سے زنداں بھی تھا طور
وہ درخشندہ نگیں کون ہے، آغا شورش

کس کی بیباکی کردار ہے ایماں افروز
غیرت دبر نشیں کون ہے، آغا شورش

جس کو یورپ کا مقامر نہ کبھی جیت سکے
مرد ناصیہ ہندی کون ہے آغا شورش

جس جواں فکر کی تقریر سے باطل لرزے
وہ جواں عزم و یقیں کون ہے، آغا شورش

کس کی کرنوں میں نئے سانچے بدل سکتے ہیں
ہند کی تاب جبیں کون ہے، آغا شورش

عزم و ایثار کا اک پیکر بیدار و بلند
ہمدم زار و حزیں کون ہے۔ آغا شورش

پوچھا ساقی سے مے تند نے مستی چلاتی
مرد پائندہ ترین کون ہے، آغا شورش
شورشیں آپ کی ہیں، معنی نو سے لبریز
امن عالم کا امیں کون ہے آغا شورش

لدھیانہ۔ ۲۶ جنوری یوم آزادی ۱۹۴۹ء

سعید رازی

ماضی کا ایک ترقی پسند

پاکستان میں آجکل ترقی پسند کا لفظ زبان زد عام و خاص ہے ان کے خلاف اور حق میں دھڑا دھڑ مضامین شائع ہو رہے ہیں اور اب یہ بحث ناخوشگوار رنگ اختیار کر گئی ہے۔ یہ میں نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ آج سے کوئی ڈیڑھ ہزار برس پہلے بھی ایک ترقی پسند پیدا ہوا تھا۔ اور اس کا جو حشر ہوا وہ تاریخ کے پرانے سینہ میں ابھی تک محفوظ ہے اور ڈر ہے کہ کہیں تاریخ اپنے آپ کو دہرانا ہی شروع نہ کر دے۔

سورج غروب ہوتے ہی فطرت نے آگے بڑھ کر سیاہی مائل آسمان پر ستارے چھڑک دیئے اور کچھ اس انداز سے چھڑکے کہ چشم بینا رکھنے والے پھڑک اٹھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ آسمان کی وسعتوں میں کھویا ہوا آدھی رات گئے تنہا بیٹھا تھا۔ وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بڑبڑاتا اپنے گرد و پیش دیکھتا اور پھر ستاروں پر نظریں جما لیتا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد وہ یکدم چلایا "پا لیا" اور پھر دبی زبان میں بڑبڑایا۔

"زمانۂ قریب میں ایک جلیل القدر پیغمبر ظاہر ہونے والا ہے۔ فاران سے طلوع ہونے والے اس آفتاب کے سامنے کیش زردشتی کے بھڑکتے ہوئے آتشکدے ماند پڑ جائیں گے کیا ہی اچھا ہو اگر میں یہ پیغمبر بن جاؤں"

یہ کہکر وہ خاموش ہو گیا۔ اور معمولی سے وقفے کے بعد بڑبڑایا۔

"ہاں صرف یہی ایک تدبیر ہے جس سے میں اپنی دیرینہ آرزو تمیں پوری کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

یہ الفاظ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل اس وقت کے بہترین ایرانی منجم مزدک کی زبان سے نکلے، یہ وہ زمانہ تھا جب پیغمبر ایران زردشت کا مذہب ہر خاص و عام کا مذہب بن چکا تھا دوسرے لفظوں میں اس وقت ایران کا ملکی و قومی مذہب یہی تھا۔ ملک کے تمام شہروں میں عالیشان آتشکدے تعمیر تھے۔ شاہان ساسانیہ کے عہد حکومت میں اس مذہب کو اور فروغ حاصل ہوا۔ سلطنت کے دور افتادہ علاقے بھی مقدس آگ سے تو رہتے بغیر نہ رہ سکے۔ نوشیرواں کے باپ قباد بن فیروز کے زمانے میں یہ مذہب اپنے پورے جوبن پر تھا۔ مزدک کیش زردشتی کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر حسد کے انگاروں پر لوٹنے لگا۔ اس کی یہ سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح ملک میں وہی شہرت پائے جو زردشت کو حاصل تھی۔ اور جب اسے رفتار کواکب سے یہ اشارہ مل گیا کہ عنقریب ایران میں ایک نیا مذہب چھا جائیگا تو اس نے اس نئے مذہب کا بانی خود ہی بن جانا چاہا لیکن مذہب زردشت کو شکست دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ یہ سلطنت کسریٰ کے شہنشاہ قباد بن فیروز کے محلوں تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ ہر جگہ پھیل چکا تھا۔ اب وہ پیغمبری کا دعویٰ کرے تو کس طرح کرے، ایک عالم منجم کی حیثیت سے تو وہ دربار تک رسائی حاصل کر چکا تھا لیکن ایک پیغمبر کی حیثیت سے جاتے اسے ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ خیر دل کڑا کر کے اس نے چند حواری اکٹھے کیئے اور ان کی مدد سے شاہی آتشکدے تک ایک سرنگ تیار کی اور پھر مذہب زردشت کی آڑ لے کر اعلان کر دیا کہ مجھے خدا نے پیغمبر ایران کے مقدس مذہب کی تجدید پر مامور کیا ہے، میں اسے ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں، بس پھر کیا تھا مزدک کے مرتبے دعوے سے ملک میں ہلچل مچ گئی۔ اور جب یہ خبر شہنشاہ قباد کے کانوں تک پہنچی تو اس نے مزدک کو بلا بھیجا۔

جب وہ دربار میں حاضر ہوا تو اس سے سوال کیا۔ کیا تم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟

مزدک نے کہا۔ ہاں اس لیئے کہ لوگ مقدس زردشت کی صحیح تعلیمات کو بھول گئے ہیں، ہمارے عقائد پر یہودیت اور عیسائیت کا اثر دن بدن بڑھ رہا ہے، اس لئے مذہب کو از سر نو زندہ کرنے کے لئے آیا ہوں۔

قباد نے پھر دریافت کیا۔ لیکن ہر پیغمبر کے پاس کوئی نہ کوئی معجزہ ہوتا ہے، کیا ایسا کوئی معجزہ تمہارے پاس ہے جس سے تم اپنے دعوے کو درست ثابت کر سکو؟

مزدک فوراً بول اٹھا۔ میرے دعوے کی گواہی تمہاری مقدس آگ ہی دے سکتی ہے۔

قباد نے یہ سن کر اپنے درباری موبدوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ "مزدک جنت ہی دین کی تعلیم دیتا ہے، اگر یہ معجزہ دکھائے تو اس پر ایمان لانے میں کوئی حرج نہیں۔"

چنانچہ معجزہ دکھانے کا وقت مقرر کر دیا گیا۔ قباد اپنے بیٹے نوشیرواں اور دوسرے درباریوں کے ساتھ آتشکدہ میں پہنچ گیا۔ ادھر مزدک اپنا سوانگ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے پہلے ہی ایک رازدار کو سکھا پڑھا کر سرنگ کے راستے آتشکدے کے اندر داخل کر دیا تھا۔ مزدک آگے بڑھا اور آگ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"اے مقدس آگ اگر یزداں نے مجھے اتنی مذہب زردشتی کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے تو تو میری پیغمبری کی گواہی دے"

اندر سے آواز آئی "اے مقدس آگ کی پرستش کرنے والو! مزدک پر ایمان لے آؤ، اسے ہم نے بھیجا ہے"

معجزے کا دیکھنا ہی تھا کہ شہنشاہ قباد اپنے امراء وزراء سمیت مزدک پر ایمان لے آیا۔ ولی عہد سلطنت نوشیرواں کے دماغ میں شبہات کے کیڑے رینگنے لگے۔ لیکن وہ مجبور تھا، قباد نے ایک طلائی کرسی بنوا کر تخت شاہی کے اوپر رکھوا دی۔ مزدک اس پر رونق افروز ہوتا۔ اور شہنشاہ نیچے تخت پر بیٹھتا۔ ادھر قباد کے مزدکی بنتے ہی لوگ جوق در جوق پایۂ تخت آتے اور پیغمبر کا دیدار کرتے۔ نبوت کے دعوے کے چند ہی روز بعد مزدک نے اعلان کر دیا کہ چونکہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ اس لئے دولت کی تقسیم مساویانہ ہونی چاہیئے۔ امیر و غریب کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ دنیا میں کوئی کسی کا محتاج نہیں ہے، یہ سن کر لوگ اور بھی تیزی سے مزدکی بننے لگے، دولت کی تقسیم کے بعد مزدک ایک اور قدم آگے بڑھا اور اعلان کیا کہ عورتیں بھی دولت کی طرح مشترک ہیں۔ قید محارم ایک من گھڑت رسم ہے، جو مرد جس عورت کو چاہے بلا روک ٹوک حاصل کر سکتا ہے بس اب کیا تھا رہے سہے لوگ بھی ایمان لے آئے، لیکن نوشیرواں یہ ضبط نہ کر سکا۔ اس نے تخلیہ میں معززین ایران کا ایک جلسہ منعقد کیا۔ اور مزدک کے خلاف ایک دھواں دھار تقریر کی۔ اس نے کہا کہ عورتوں کو مشترک قومی سرمایہ قرار دینے سے بڑھ کر کوئی اور بے عزتی ہو سکتی ہے؟

سامعین کو نوشیرواں کی اس تقریر سے بہت غیرت آئی، لیکن وہ شہنشاہ کے ڈر سے خاموش تھے، ادھر قباد کو جب معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا مزدک کے خلاف ہے تو اس نے اسے بلا کر تنبیہ کی، نوشیرواں نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ وہ مزدک کو پیغمبر تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا کہ مزدک مذہب کو دولت اور عورت کا ذریعہ حصول بنا رہا ہے، جب عورتیں مباح کر دی گئیں تو پھر انسان اور حیوان میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

خیر، قباد کے زیادہ اصرار پر نوشیرواں مصلحتاً ایمان لے آیا۔ لیکن چھپ چھپ کر اپنے باپ کے خلاف فوجیں تیار کرتا رہا۔ اسی اثناء میں ایک دن مزدک نے نوشیرواں کی ماں کو خلوت میں طلب کیا۔ نوشیرواں کا خون کھول اٹھا، لیکن اس کے انتظامات اب مکمل تھے۔ وہ اپنے باپ کے پاس آیا اور بولا چونکہ آج پیغمبر صاحب میری ماں کو سرفراز کریں گے اس لئے میں اس خوشی میں ایک جشن کروں گا۔ جس میں دین مزدکی کے تمام بڑے بڑے پیرو شامل ہوں، دعوت کرنے کے بعد آپ بیشک میری ماں کو بھیج دیجئے۔

قباد نے یہ تجویز مان لی۔ ادھر مزدک بھی خوش ہوا کہ چلو یہ شکار بھی مار لیا۔ قباد، مزدک اور دوسرے بڑے بڑے مزدکیوں کے ہمراہ نوشیرواں کے محل میں آیا۔ کل مہمانوں کی تعداد کوئی چار سو کے لگ بھگ تھی۔ نوشیرواں نے محل کی پشت پر پہلے ہی سینکڑوں قبریں کھدوا رکھی تھیں۔ دعوت میں خوب شراب کے دور چلے۔ اس کے بعد نوشیرواں نے کہا۔

"اب میں ہر ایک مزدکی کو خلعت عطا کرنا چاہتا ہوں، اور چونکہ یہاں مجمع زیادہ ہے اس لئے خلعت پہننے میں تکلیف ہوگی۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ بیس بیس آدمیوں کا گروپ پہلو کے کمرے میں جا کر خلعت پہن کر پشت کے دروازے سے نکلتا جائے"

چنانچہ بیس بیس مزدکی اندر جانے لگے۔ اندر نوشیرواں کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ وہاں مزدکیوں کو ننگا کر کے سر کے بل ناف تک قبروں میں دباتے گئے۔ غرضکہ اس طرح نوشیرواں نے تمام مزدکیوں کو خلعت مرگ پہنا دیا۔ آخر وہ اپنے باپ اور مزدک کو احاطہ میں لے گیا، مزدک نے دیکھا کہ اس کی جماعت کے تمام افراد سرنگوں پا در ہوا قبروں کے اندر دفن ہیں۔ مزدک سراسیمہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن اب وہ کیا کر سکتا تھا۔ نوشیرواں نے ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اور قباد کو گرفتار کر لیا۔ پھر محل کی فصیل توڑ دی گئی۔ تاکہ رعایا اس جعلی پیغمبر کا انجام دیکھ سکے۔

اور اس طرح اس زمانے کے سب سے بڑے ترقی پسند کا خاتمہ ہوا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اسلام نے رہے سہے مزدکیوں اور زردشتیوں کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا۔

اسلام کے نظام کو آج کے نام نہاد ترقی پسند محض اس بنا پر دقیانوسی قرار دیتے ہیں کہ یہ ساڑھے تیرہ سو سال پرانا ہے، آج کی دنیا میں یہ نظام نہیں چل سکتا۔ لیکن تاریخ اشتراکیت اور ان کی ترقی پسندی کو اس سے بھی پہلے کا بتاتی ہے، اشتراکیت، مزدکیت کے بھیس میں اسلام کے ظہور سے چند سال قبل اٹھی۔ لیکن اسلام کے آتے ہی یہ اپنی موت آپ مر گئی۔ اور آج پھر ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد یہی فتنہ درپیش ہے۔

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

انقلاب کی چار بنیادیں

مولانا ابوالکلام آزاد

قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بنیاد چار ستونوں پر رکھی ہے۔ اور بتلایا ہے۔ کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ ایمان۔ عمل صالح۔ توصیہ حق۔ توصیہ صبر توصیہ حق" کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ توصیہ صبر" کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور دکھ دردوں کو جھیل لینے کی وصیت کرنا۔ چونکہ حق کے اعلان و دعوت کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مصیبتیں پیش آئیں۔ اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی۔ تاکہ مصیبتیں اور دکھ درد جھیل لینے کے لئے ہر شخص مستعد ہو جائے۔

"والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر

(اگر قرآن کے یہ چند جملے نازل ہو جاتے۔ تو تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کیلئے کافی تھے۔ امام شافعی")

آپ مقصد اور مراد کے ڈھونڈنے والے ہیں۔ آپ مقصد کے عشق میں آنسو بہانے والے ہیں۔ تو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ قرآن کا ہر اچھے مقصد کیلئے یہ اعلان ہے۔ کہ اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے لئے انسانوں کی تلاش کے لئے۔ جستجوؤں کیلئے۔ اور امیدواروں کے لئے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں۔ بڑے بڑے گھاٹے ٹوٹے ہیں۔ لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے۔ کون جماعت ہے۔ کہ جو بچ سکتی ہے۔ اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی پا سکتی ہے۔ ناامیدی کی جگہ امید اس کے دل میں اپنا آشیانہ بنا سکتی ہے۔ وہ کون انسان ہیں؟ وہ انسان کہ دنیا میں ان چار شرطوں کو قولاً و عملاً اپنے اندر پیدا کر لیں جب تک یہ پیدا نہ ہوں گی۔ اس وقت تک دنیا میں کوئی قوم کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ملک۔ حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی دنیا میں کامیابی نہیں پا سکتے۔

ان چار شرطوں سے گھبرا نہ جانا۔ اگر ایک چیز عربی لباس میں آ جائے تو کیا تم انکار کر دو گے۔ چاہے وہ پہچانی ہوئی ہو۔ پہلی شرط وہ ہے۔ جس کا نام قرآن مجید کی بولی میں ایمان ہے — الا الذین آمنوا تم بھی کامیابی پا سکتے ہو۔ جب تمہارے دل کے اندر روح کے اندر وہ چیز پیدا ہو جائے۔ کہ جس کا نام قرآن شریف کی زبان میں ایمان ہے۔

ایمان کے معنی ہیں عربی زبان میں زوال شک کے۔ یعنی کامل درجہ کا بھروسہ۔ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے جب تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر نہ پیدا ہو۔ اللہ کی صداقت پر۔ اللہ کی سچائی پر۔ اللہ کے اصولوں پر۔ جس وقت تک کامل درجہ کا یقین تمہارے قلب کے اندر پیدا نہ ہو گا۔ کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لئے نہیں کھل سکتا۔ شک کا اگر ایک کانٹا بھی تمہارے دل میں چبھ رہا ہے۔ تو تم کو اپنے اوپر موت کا فیصلہ صادر کرنا چاہیئے۔ تم کو کامیابی نہیں مل سکتی۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارے دل کے اندر ایمان۔ اطمینان۔ یقین۔ جماؤ۔ تمکین اور قرار پیدا ہو۔ لیکن کیا محض دل کا یہ کام۔ دماغ کا یہ فعل۔ تصور کا یہ نقشہ کامیابی کو پورا کر دے گا؟ نہیں۔

فرمایا۔ ایک دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے۔ جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کر لو گے۔ اس ایک منزل کو طے کر کے کامیابی نہیں پا سکتے۔ اس کا نام قرآن کی بولی میں عمل صالح ہے۔ وعملوا الصّٰلحٰت یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے۔ جس کام کو جس صحت اور جس طریقہ کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ جو طریقہ اس کیلئے سچ ہو سکتا ہے۔ اس کام کو اس کے ساتھ انجام دینا۔"

قرآن کا یہ اصول تو عام ہے۔ ایمان کے معنی ہیں وہ یقین وہ کامل اطمینان وہ کامل اقرار کہ جو عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ چیز جو دماغ میں موجود تھی۔ وہ ارادہ جو دماغ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ پہلی منزل ہوئی۔ جو مذہب میں آکر ایمان کا نام اختیار کر لیتی ہے بالکل جیسے وہ عمل دماغ ہے۔ وہ عمل تصور و یقین ہے۔ اسی بنا پر سب سے پہلی منزل ایمان کی ہے۔ پہلی تجویز یہ ہے۔ کہ تمہارے دل کے اندر سچا ارادہ پیدا ہو۔ سچا عزم پیدا ہو۔ دوسری منزل یہ ہے عملوا الصّٰلحٰت صرف دماغ کی منزل طے کر کے قدم نہ ٹھہر جائیں بلکہ عمل بھی کرو۔ وہ جو صالح ہو۔ یعنی جو صحیح طریقہ ہے۔ اس کام کے انجام دینے کا۔ جب اس کو پورا کر لیا۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ فتحمندی اور کامیابی کی دو منزلیں تم نے کامیابی کے ساتھ طے کر لیں مگر پھر کیا تمہارا کام ختم ہو گیا۔ اس کے بعد تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے؟ قرآن کی عالمگیر صداقت کہتی ہے کہ نہیں۔ بلکہ دو منزلوں کے بعد دو منزلیں اور بھی باقی ہیں۔ اپنی ہمت تو آزماؤ کہ ان کیلئے تمہارے تلوے تیار ہیں یا نہیں۔ تمہاری کمر ہمت مضبوط ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے۔ تو ممکن ہے۔ کہ یہ دو منزلیں تمہارے لئے سود مند نہ ہوں۔ وہ دو منزلیں یہ ہیں۔ جو قرآن مجید نے فرمایا۔ کہ ایمان اور عمل صالح ان کے اندر پیدا ہوں۔ لیکن کیا ایک کڑی کے درست کرنے کے بعد زنجیر کا پورا کام ہو گیا۔ ایک منٹ کیلئے بھی نہیں۔ تم کیا ہو۔ اس بکھری ہوئی شکل میں بیکار ہو۔ اس میں تمہارا کوئی وجود نہیں۔ قرآن وجود مانتا ہے۔ اجتماع کا۔ اس کے نزدیک وجود کڑیوں کا نہیں ہے۔ بلکہ زنجیر کا ہے۔ تم میں سے ہر وجود ایک کڑی ہے۔ اس کا کام پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ باقی کڑیوں کی خبر نہ لے۔ جب تک باقی کڑیاں مضبوط نہ ہوں گی زنجیر مضبوط نہیں ہو سکتی۔ اسلئے فرمایا۔ کامیابی کا سفر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک تیسری منزل تمہارے سامنے نہ آئے۔ وہ تیسری منزل اس فصیح و بلیغ معنوں میں ہے۔ کہ وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر۔ تیسری منزل ہے۔ تواصوا بالحق کی۔ تم جو ایک کڑی تھے۔ جس کو تم نے ایمان کی مضبوطی سے استوار کیا۔ لیکن تمہارا کام ختم نہیں ہوا۔ کہ دوسری کڑیوں کی طرف توجہ کرو۔ اس کو یوں درست کر سکتے ہو۔ کہ دنیا میں خدا کی سچائی کا پیغام پہنچاؤ۔ جب تک تم میں یہ بات نہ ہو گی۔ کہ تمہارا دل سچائی کے اعلان کیلئے تڑپنے لگے۔ جب تک تو صیٰ حق نہ کرو گے۔ کامیابی تم کو نہیں مل سکتی۔ لیکن اگر اس تیسری منزل کیلئے تم تیار ہو گئے۔ اگر توفیق الٰہی نے تمہاری دستگیری کی۔ تو پھر آخری منزل کونسی ہے۔ وہ ہے۔ کہ جو

صبر کی منزل کیلئے لازم و ملزوم ہے۔ اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی ہوئی ہے۔ کہ جدا نہیں کیا جا سکتی۔ فرمایا کہ حق کی وہ وصیت کریں گے۔ چنانچہ حق کا وہ پیغام سنائیں گے۔ حق کی دعوت پہنچائیں گے۔ حق کا یہ حال ہے۔ کہ حق کی راہ میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ جب تک وہ قربانیوں کے لئے قدم نہ اٹھائیں۔ فرمایا کہ صرف حق ہی کا پیغام وہ نہ پہنچائے۔ بلکہ صبر کا بھی پہنچائے۔

تم نے اپنی بدبختی سے نہ صرف شریعت کے حکم کو بدلا ہے بلکہ اپنے طریق عمل سے شریعت کے لفظ کی بولیوں کو بھی بدل ڈالا صبر کے معنی کیا ہیں؟ تم سمجھتے ہو۔ کہ صبر کے معنی ہیں۔ بے عزتی اور باطل کی پرستش دیکھنا۔ جو شخص صبر کے معنی یہ سمجھتا ہے اس سے بڑھکر قرآن مجید کی تحریف لفظی کرنیوالا کوئی نہیں۔ تحریف معنوی تو بہت سے علماء کر رہے ہیں۔ لیکن تحریف لفظی یہ ہے کہ صبر کے معنی ہیں۔ کہ تمہارے حق کے مقابلہ میں مصیبت آ جائے۔ تو تم کو چاہیئے۔ کہ صبر کے گوشہ میں بیٹھو۔ یعنی ہر طرح کی بے غیرتی کو۔ بے چارگی کو۔ باطل پرستی کو قبول کر لو۔ صبر کے معنی بالکل اس سے مختلف ہیں۔ صبر کے معنی ہیں برداشت کے۔ صبر کے معنی ہیں جھیلنے کے۔ صبر کے معنی ہیں تحمل کے۔ جو قدم تم مقصد کی راہ میں اپنے محبوب اور پیارے مقصد کے لئے اٹھاؤ۔ اور اس میں طرح طرح کی مصیبتیں آئیں۔ طرح طرح کی دشوار صورتیں آئیں۔ زنجیر و ہتھکڑیاں آئیں۔ بلکہ ممکن ہے۔ کہ تمہارے سامنے تختہ آئے اور اس پر ایک پھندا لٹکے۔ یہ سب تمہارے سامنے آ جائیگا۔ لیکن اگر تم حق کے پرستار ہو۔ تمہارے اندر برداشت کی وہ اٹل طاقت ہو۔ وہ پہاڑ برداشت کا تمہارے اندر موجود ہو۔ کہ دنیا کی کوئی مشکل۔ کوئی تخت و تاج اس پر فتحیاب نہ ہو سکے۔ یہ معنی صبر کے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے مواقع استعمال پر اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہر جگہ صبر کے یہی معنے ہیں۔

مقصد یہ تھا۔ کہ قرآن مجید نے جو صداقت نوع انسان کے آگے کامیابی کیلئے پیش کی ہے۔ اور اب سے تیرہ سو برس پیشتر جو ایک اٹل اور لازوال پروگرام بنا دیا ہے۔ یہ اس کی چار دفعات ہیں اگر وہ کوئی سفر ہے۔ تو اس کی چار منزلیں ہیں۔ ہم کو ایک منٹ کیلئے غور کرنا چاہیئے۔ کہ کیا دنیا میں کوئی کامیابی بلا ایمان مل سکتی ہے؟ کیا تم شک کا روگ اپنے پہلو میں لے کر دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی پا سکتے ہو۔ کیا تم دنیا میں ایک مٹھی بھر جو اور چاول بھی پا سکتے ہو۔ جب تک تمہارے اندر طلب کیلئے حق نہ ہو۔ کیا ایک لمحہ کیلئے دنیا کی کوئی کامیابی اپنا چہرہ ہمیں دکھا سکتی ہے۔ جب تک تم حق کی راہ پر قربانیاں چڑھانے کیلئے تیار نہ ہو۔ خدا کی اس کائنات کے ایک ایک ذرہ کے اندر اس حقیقت کی عالمگیر تصدیق موجود ہے۔ اور اس دنیا میں کامیابی کا کوئی چہرہ نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک وہ ایمان۔ حق اور صبر کی منزل سے نہ گذرے۔

اللہ کا ہر قانون ہر اڑنے والے پرندے کیلئے ہے۔ کیا خدا اپنا قانون تمہارے لئے بدل دے گا؟ کیا خدا تمہاری غفلتوں کا ساتھ دے گا؟ اگر تم اپنی غفلت کی وجہ سے اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہو۔ تو تم سے بڑھ کر اپنی موت کی طرف چلنے والا کوئی نہیں۔

(ماخوذ)

کشمیر کمیشن کی خط و کتابت کا متن!

ایک اہم دستاویز

حکومت پاکستان نے ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ حکومت ہند اور حکومت پاکستان کی درخواست پر اتحادی قوموں کی انجمن کے پاک و ہند کمیشن نے وہ تمام خط و کتابت شائع کر دی ہے۔ جو اس کے اور دونوں حکومتوں کے درمیان ہوئی تھی ——— ہم اس کو ایک دستاویز کی حیثیت میں چٹان کے صفحات پر پیش کر رہے ہیں۔ ——— ایڈیٹر کا تبصرہ اداریہ میں دیکھیں ——— !!

کمیشن کے صدر نے ۹ راگست ۱۹۴۹ء کو وزیر خارجہ پاکستان کے نام ایک خط لکھا۔

کہ اتحادی قوموں کے ہندوستان پاکستان کمیشن نے آپ کی حکومت کے اس جواب کا جائزہ لے لیا ہے۔ جو اس نے عارضی صلح سے متعلق کمیشن کی ۲۸ راپریل ۱۹۴۹ء والی تجاویز کے متعلق ۱۸ رمئی کو تحریر کیا تھا۔ کمیشن کو ان تجاویز کے متعلق حکومت ہندوستان کا بھی جواب مل گیا ہے۔

۲:۔ کمیشن نے مشاہدہ کیا ہے۔ کہ کسی حکومت نے بھی ان تجاویز کو غیر مشروط طور پر تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور وہ اب بھی مسئلہ کی بابت متضاد خیالات رکھتی ہیں۔ اپنے اس یقین پر قائم رہتے ہوئے کہ دونوں حکومتیں جو وعدے کر چکی ہیں۔ وہ انہیں پورا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کمیشن یہ سمجھتا ہے۔ کہ مزید علیحدہ گفت و شنید سے مناسب وقت میں سود مند نتیجہ برآمد کرانے کی توقع بمشکل کی جا سکتی ہے۔

۳:۔ کمیشن نے التوائے جنگ کی حد بندی پر سمجھوتے کے لئے کراچی میں دونوں حکومتوں کی ایک مشترکہ کانفرنس طلب کی تھی۔ کانفرنس کے کامیاب نتیجے اور تعاون اور باہمی مفاہمت کے اس جذبے کے پیش نظر جو پاکستان اور ہندوستان کے نمائندوں نے کانفرنس میں ظاہر کیا تھا کمیشن نے امید کی ہے۔ کہ عارضی صلح کا سمجھوتہ کرانے کے لئے اس قسم کی آئندہ کانفرنسیں بھی اسی طرح کامیاب ثابت ہوں گی۔

۴:۔ اس بات کا یقین کرنے کے بعد کہ دونوں حکومتیں غیر رسمی طریقہ سے اصولی طور پر ایسے طریقہ کار کی حمایت میں ہیں۔ میں کمیشن کی طرف سے آپ کی حکومت اور حکومت ہندوستان کے نمائندوں کی مشترکہ کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کرتا ہوں۔ جو کمیشن کی نگرانی میں منعقد ہو گی۔ اور جس میں کمیشن کی ۱۳ راگست ۱۹۴۹ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔

۵:۔ کمیشن یہ تجویز کرتا ہے۔ کہ کانفرنسوں کے انعقاد کی ابتداء نئی دہلی سے ہو۔ اور بعد میں حالات کے مطابق کراچی میں جاری رکھنی چاہیئے۔

۶:۔ غیر رسمی باتوں میں دونوں حکومتوں نے تجویز کیا۔ کہ کمیشن ان کانفرنسوں کا عارضی ایجنڈا پیش کرے۔ اس کے علاوہ آپ نے کمیشن کے صدر سے درخواست کی تھی۔ کہ وہ کمیشن سے سفارش کریں۔ کہ وہ عارضی صلح کے متعلق حکومت ہندوستان کے نظریوں کے متن سے حکومت پاکستان کو مطلع کرے۔ اس قسم کی درخواست حکومت ہندوستان نے بھی کی ہے۔

۷:۔ دونوں حکومتوں نے جو خواہش ظاہر کی ہے۔ اس کے مطابق کمیشن نے منسلکہ عارضی ایجنڈا تیار کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ دونوں فریقوں کے لئے اجلاس میں اس ایجنڈے میں ترمیم کی تجویز پیش کرنے کی آزادی ہو گی۔

۸:۔ دو مزید دستاویز منسلک ہیں۔ ایک میں عارضی صلح کے متعلق کمیشن کی ۲۸ راپریل ۱۹۴۹ء کی تجاویز کے متعلق حکومت ہندوستان کے نظریات کا متن درج ہے۔ اور دوسری میں حکومت پاکستان کے نظریات کا متن درج ہے۔ بہر حال اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ مشترکہ کانفرنس میں عارضی صلح کی متذکرہ تجاویز سے آزادانہ بحث ہو گی۔

۹:۔ کمیشن اس سلسلہ میں جلد از جلد کارروائی کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ مجھے آپ مطلع کریں کہ اگر پہلی مشترکہ کانفرنس ۱۸ راگست کو نئی دہلی میں کسی ایسی جگہ منعقد کی جائے جو اس مقصد کے لئے حکومت ہندوستان کمیشن کے حوالے کر دے۔ تو حکومت پاکستان کو اس کانفرنس میں شرکت کرنے کی آسانی ہو سکے گی۔

عارضی ایجنڈا

مندرجہ بالا خط کے ساتھ جو عارضی ایجنڈا منسلک تھا وہ یہ ہے۔

۱:۔ ایجنڈے کی منظوری

۲:۔ ریاست جموں و کشمیر سے پاکستان کی مسلح فوجوں کی واپسی (۱۳ راگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے درجہ دوئم کی شق الف ۱)

۳:۔ ریاست جموں و کشمیر سے قبائلیوں اور تمام پاکستانی باشندوں کی واپسی جو کہ ریاست جموں و کشمیر کے رہنے والے نہیں ہیں۔ اور جو لڑنے کی غرض سے ریاست میں داخل ہوئے تھے (۱۳ راگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کی شق الف ۲)

۴:۔ ریاست جموں و کشمیر سے ہندوستان کی مسلح فوج کے بڑے حصے کی واپسی (۱۳ راگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم شق ب ۱ اور ۲)

۵:۔ متعلقہ مسائل

ہند کے نظریات

عارضی صلح سے متعلق کمیشن کی ۲۸ راپریل ۱۹۴۹ء والی تجاویز کے بارے میں حکومت ہندوستان کے نظریات کی یادداشت جو مندرجہ بالا خط کے ساتھ منسلک تھا۔

آزاد فوج کو توڑنا

آزاد کشمیر کی فوج کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کا سوال عارضی صلح کی ۲۸ راپریل ۱۹۴۹ء والی تجاویز کے پیراگراف ۲ ب اور ج)

۱:۔ حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۴۹ء میں یہ اعلان کیا تھا۔ کہ ریاست کی حفاظت اور آزادانہ و غیر جانبدارانہ رائے شماری کیلئے آزاد کشمیر کی فوج کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کے سوال کو غیر یقینی حالت میں نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ تاکہ بعد میں وہ تنازعے کا سبب نہ بن سکے۔ اس لئے اس نے اسے بہت اہم قرار دیا۔ (۲) کہ اب ہی حکومت پاکستان سے آزاد کشمیر فوج کی بتیس بٹالینوں کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کے طریق اور مدت کے بارے میں گفت و شنید شروع کر دینی چاہیئے۔ حکومت ہندوستان کے پیش نظر اس مقصد کو حاصل کرنے کے پروگرام پر بلاتاخیر گفت و شنید شروع کر دینی چاہیئے۔ (۳) ہندوستانی فوجوں کی واپسی کو آزاد کشمیر فوج کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کی رفتار سے علیحدہ نہ رکھا جائے بلکہ وہ اس پر منحصر ہو۔

۲:۔ حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۴۹ء میں مزید کہا تھا۔ کہ اگر ان سات ہفتوں کے آخر تک جن کا ذکر کمیشن کی تجاویز کے حصہ سوئم (ج) میں کیا ہے۔ کمیشن یہ محسوس کرے۔ کہ آزاد فوجوں کو توڑنا اور غیر مسلح کرنا ناممکن ہے تو کمیشن کی ۵ جنوری ۱۹۴۹ء والی قرارداد کے نکتہ ۴ کو نامکمل سمجھا جائے گا۔

پہاڑی علاقے

شمال کے بکھرے ہوئے غیر آباد علاقوں کا سوال (تجاویز عارضی صلح پیراگراف ۱، د)

۱:۔ حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۴۹ء میں وزیر اعظم کے اس خط کا ذکر کیا تھا۔ جو انہوں نے ۲۰ راگست ۱۹۴۸ء کو مسٹر کوربل کے نام لکھا تھا۔ اور اس بات پر قائم رہی تھی کہ یہ اصول کہ ہندوستانی فوج اہم مقامات پر موجود رہے تسلیم کیا جائے۔

۲:۔ حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۴۹ء میں یہ اعلان کیا تھا۔ کہ وہ اس توقع کے تحت سرحدی مقامات پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے تیار ہے۔ کہ پاکستان کی تمام باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجیں ریاست سے واپس ہو جائیں گی۔ اگر یہ توقع غلط ثابت ہوئی یا ریاست کی حفاظت کو خطرہ پیدا ہوا۔ یا کسی اور ذریعے سے اندرونی امن و امان قائم رکھنے کی ضرورت پڑی تو حکومت ہندوستان ان تمام مقامات پر یا کسی دیگر مقامات پر جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اپنی فوجوں کو حفاظت کرنے کے لئے بھیجنے میں آزاد ہو گی۔

ہندوستانی فوج

ہندوستانی فوج کی واپسی اور اس کی مدت (تجاویز عارضی صلح پیراگراف ۲ ب)

۵:۔ حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ ۱۷ رجون میں ہندوستانی فوجوں کی واپسی کا ایک پروگرام پیش کیا۔ حکومت ہندوستان نے مزید واضح کیا۔ کہ واپسی کے اس قسم کے منصوبے کی طرح آئندہ جو بھی منصوبہ کمیشن کے ساتھ طے کیا جائے گا۔ اس کی اطلاع اس وقت تک حکومت پاکستان کو نہیں دی جائے گی جب تک عارضی صلح کا سمجھوتہ نہ ہو جائے۔

پاکستان کے نظریات

کمیشن کی ۲۸ راپریل ۱۹۴۹ء والی عارضی صلح کی تجاویز کے بارے میں حکومت پاکستان کے نظریات کی یادداشت جو مندرجہ بالا خط کے ساتھ منسلک ہے

شمالی علاقہ

شمالی علاقہ (عارضی صلح کی ۲۸ راپریل والی تجاویز کا پیراگراف ۱ د)

۱:۔ حکومت پاکستان کی رائے ہے۔ کہ تجاویز عارضی صلح کے پیراگراف ۱ د میں جو تجویز پیش کی گئی ہے۔ وہ کمیشن کی ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے مطابق نہیں ہے اور غیر ضروری ہے اور اس سے اس علاقہ کے امن کے متعلق

کی یقینی دہانی نہیں ہوتی ہے اور اس سے بے چینی اور غیر محفوظ حالات پیدا ہونے کا امکان ہے۔

فوجوں کی واپسی

فوجوں کی واپسی (تجاویز عارضی صلح کا پیراگراف ۲ ب اور ج)

۳۔ حکومت پاکستان یہ بیان کرتی ہے۔ کہ اس نے ان قبائلیوں اور قریباً تمام پاکستانی باشندوں کو جو لڑائی کی غرض سے داخل ہوئے تھے۔ واپس بلا کر کمیشن سے کئے گئے اپنے وعدوں کے ایک اہم حصہ کو پورا کر دیا ہے۔ وہ کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کی شرائط کے تحت جیسا کہ اس کی توضیح حکومت پاکستان سے کی گئی تھی۔ ریاست جموں و کشمیر سے تمام پاکستانی فوج کو بھی واپس بلانے کے لئے تیار ہے۔

۴۔ حکومت پاکستان اعلان کرتی ہے۔ کہ ہندوستانی فوجوں کی واپسی کا پروگرام معلوم کئے بغیر جس کی بنیاد ول پر دونوں فوجوں کی بیک وقت واپسی کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ حکومت پاکستان کمیشن کی تجاویز عارضی صلح کی ان شرائط کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی ہے۔ جن کا مرکزی نکتہ دونوں فوجوں کی واپسی کا پروگرام ہے۔

ہندوستانی اور آزاد فوج

ہندوستان کی ریاستی فوجوں اور آزاد کشمیر کی فوجوں کو ہٹانا (تجاویز عارضی صلح کا پیراگراف ۲ ب اور ج)

۵۔ حکومت پاکستان اعلان کرتی ہے کہ یہ ظاہر ہے۔ کہ کمیشن کا ارادہ یہ ہے۔ کہ مذکورہ پیراگرافوں کے تحت بحث میں ناظم رائے شماری کو شروع سے ہی شامل کیا جائے۔ خواہ اس وقت تک رسمی طور پر ان کا تقرر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ حکومت پاکستان یہ بھی سمجھتی ہے۔ کہ توسیع شدہ وقت میں پاکستانی فوج آزاد فوجوں کی صرف تنظیم ہی کر سکتی ہے تاکہ کمیشن کی ۵ جنوری ۱۹۴۹ء والی قرارداد کے نکتہ ۴ ب سے متعلقہ فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے میں آسانی پیدا ہو سکے۔ حقیقی طور پر ان فیصلوں کو اسی وقت عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ جب کہ کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے حصہ اول و دوئم پر پوری طرح عمل کیا جاچکا ہو۔

عام گنجائشیں (تجاویز عارضی صلح کا پیراگراف ۳ د اور ڈ)

۶۔ حکومت پاکستان کو یقین ہے۔ کہ کمیشن ریاست میں اقتصادی اور سیاسی آزادی کو عملی طور پر بحال کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

پاکستان کا خط

وزیر خارجہ پاکستان نے ۱۱ اگست کو کمیشن کے مندرجہ بالا خط کا جواب کمیشن کے صدر کے نام بھیجا تھا جس میں کہا تھا کہ

مجھے آپ کا خط مورخہ ۹ اگست مل گیا ہے جس میں کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کمیشن کی نگرانی میں وزارتی بنیادوں پر حکومت ہائے پاکستان اور ہندوستان کے نمائندوں کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اور جس میں اس کانفرنس کے نئی دہلی میں ۱۷ اگست کو انعقاد کی تجویز کی گئی ہے۔ اور جس میں حالات کے مطابق ان کانفرنسوں کو کراچی میں جاری رکھنے کی تجویز کی گئی ہے۔

۲۔ کمیشن کے تجویز کردہ عارضی ایجنڈے کی بابت مندرجہ ذیل تاثرات کے تحت حکومت پاکستان مجوزہ کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے تیار ہے۔

(i) اختصار اور وضاحت کے مفاد میں اس کا عنوان کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عارضی ایجنڈا ہونا چاہیئے۔

(ii) کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کے پیراگراف ب ۲ کو عملی جامہ پہنانے کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔ اس لئے مد ۲ کو اس طرح لکھنا چاہئے۔

"کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے حصہ دوئم کے پیراگراف ب ۲ پر عمل درآمد"

(iii) مندرجہ بالا (ii) میں جس مد کو ایجنڈے میں شامل کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اسے شامل کر لیا جائے تو کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم کے تحت تمام معاملات کو عملی جامہ پہنانے کی گنجائش ہو جائے گی۔ چونکہ مجوزہ مشترکہ کانفرنس کا خاص مقصد کمیشن کی ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم پر عمل درآمد ہے۔ اس لئے کمیشن کی مجوزہ مد ۵ "متعلقہ مسائل" کو حذف کر دینا چاہیئے۔ بہرصورت اس مد پر اس لئے اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ مبہم اور غیر واضح ہے۔

حکومت ہند کا خط

حکومت ہند کی وزارت خارجہ کے سکرٹری جنرل نے کمیشن کے صدر کے نام ۱۴ اگست کو خط لکھا تھا کہ

آپ کا خط مورخہ ۹ اگست آپ کے سٹاف کے ایک ممبر کی معرفت سکرٹری امور کشمیر مسٹر وشنو سہائے کو آج شام ملا۔

II حکومت ہندوستان وزارتی معیار پر پاک و ہند کے نمائندوں کے درمیان کمیشن کے زیر اہتمام مشترکہ اجلاس کرنے پر رضامند ہے۔ تاکہ ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم پر عمل کیا جاسکے۔ کمیشن نے اس اجلاس کے لئے جو ابتدائی ایجنڈا تیار کیا ہے حکومت ہند اس میں مزید دو شقوں کے اضافہ کی تجویز پیش کرتی ہے۔

۱۔ ۱۳ اگست کی قرارداد کے حصہ دوئم کے ب ۱ (و ۳) کی وضاحت جو ان امور کے متعلق ہے (و) مقامی حکام۔ (ب) کمیشن کی نگرانی۔

۲:۔ آزاد کشمیر افواج کو وسیع پیمانے پر توڑنے اور غیر مسلح کرنے کی ضرورت کو کمیشن تسلیم کر چکا ہے۔ اس فیصلہ پر بحث و تمحیص کی ضرورت ہی نہیں۔ البتہ اس فیصلہ پر عمل کرنے کے لئے سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ اس لئے ان فوجوں کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کے لئے جو اقدامات بھی ضروری ہیں۔ انہیں بھی ایجنڈا میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

۳۔ وزیراعظم نے مسٹر نوربل کے نام ایک خط ۲۰ اگست ۱۹۴۸ء کو لکھا تھا جس میں جموں اور کشمیر کے شمال میں پہاڑی اور کم آباد علاقوں کے دفاع اور نظام کے موضوع پر بحث کی گئی تھی۔ اس خط میں اس بات کا ذکر کیا گیا تھا۔ کہ تیرہ اگست والی قرارداد کے تحت جب ان علاقوں سے پاکستانی باقاعدہ اور بے قاعدہ فوجیں نکل جائیں گی۔ اس علاقہ کے نظم و نسق کی ذمہ داری حکومت کشمیر کے حوالہ ہو جائے گی۔ اور اس کا دفاع حکومت ہندوستان کے ہاتھ میں ہوگا۔ مناسب ہوگا۔ اگر ان ذمہ داریوں کے متعلق بھی آئندہ اجلاس میں وضاحت کر دی جائے۔ اگرچہ اس مسئلہ کے حل کرنے کا تعلق کمیشن اور حکومت ہندوستان کے درمیان ہے۔ مگر اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ پاکستان کو بھی اس کے متعلق آگاہی حاصل ہو۔

III باقی رہا ایجنڈے کا متن۔ تو کمیشن اس کی بعض شقوں کے متعلق فیصلہ کر چکا ہے۔ مثال کے طور پر آزاد کشمیر فوجوں کو وسیع پیمانے پر غیر مسلح کرنا۔ حکومت ہندوستان توقع رکھتی ہے۔ کہ اس قسم کے فیصلوں پر پھر بحث مباحثہ نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ میں آپ کو اس وقت بتا چکا ہوں۔ جب مجوزہ کانفرنس کی ابتدائی کارروائیوں کے متعلق ہم میں اور آپ میں بات چیت ہو رہی تھی۔ کہ معاہدہ صلح کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے یہی بہتر ہوگا۔ کہ اس کانفرنس میں ان باتوں کے متعلق دوبارہ بات چیت نہ کی جائے۔ جن کے متعلق پہلے فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور حکومت ہندوستان اور کمیشن کی یہی دلی خواہش ہے۔

IV اس مجوزہ کانفرنس میں حکومت ہندوستان کی نمائندگی ایم گوپال سوامی آئینگر وزیر نقل و حمل اور ریلوے کریں گے۔ مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کی تاریخ یعنی سترہ تاریخ ہمارے لئے موزوں نہیں۔ کیونکہ اس روز ایک اہم مذہبی تہوار ہے۔ اور تیرہ اگست سے لے کر اٹھارہ اگست تک ہندوستانی دستور ساز اسمبلی کا کوئی اجلاس نہ ہوگا اور اسمبلی کے اکثر ممبر نئی دہلی موجود نہ ہوں گے۔ اس لئے حکومت ہندوستان اس کانفرنس کے لئے ۲۲ اگست پیر کا روز تجویز کرتی ہے۔

V آخر میں میں یہ کہوں گا اگر دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے کی تجویزوں سے پہلے ہی آگاہ کر دیا جائے۔ تو اس طرح وقت کافی بچ جائیگا اس لئے حکومت ہندوستان تجویز پیش کرتی ہے۔ کہ اس نے مجوزہ ایجنڈے میں جو ایزادیاں کی ہیں۔ حکومت پاکستان کو ان سے مطلع کر دیا جائے۔

کمیشن کے صدر کا خط

پاک و ہند کمیشن کے صدر نے ۱۳ اگست کو وزیر خارجہ پاکستان کو جو خط تحریر کیا تھا اس میں انہوں نے لکھا تھا۔

مجھے آپ کا خط مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۴۹ء کو ملا جس میں آپ نے کمیشن کے خط مورخہ ۹ اگست کا جواب دیا تھا۔ اور جو نئی دہلی میں مجوزہ کانفرنس کے بارے میں آپ کو لکھا گیا تھا۔

حکومت ہندوستان کی درخواست پر آپ کو اس خط کا متن بھیجا جا رہا ہے۔ جو کمیشن کی دعوت پر ہندوستان نے کمیشن کو بھیجا تھا اسی طرح آپ کی حکومت کی طرف سے موصول شدہ جواب کا متن حکومت ہندوستان کو بھیجا جا رہا ہے۔

III آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلائی جاتی ہے۔ کہ حکومت ہندوستان نے مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کی تاریخ ۲۲ اگست تجویز کی ہے۔ کمیشن کو امید ہے۔ کہ یہ تاریخ حکومت پاکستان کے لئے بھی قابل قبول ہوگی۔

IV کمیشن کے خط مورخہ ۹ اگست کے پیراگراف ۲ کی شرائط کے تحت ابتدائی ایجنڈے کے بارے میں آپ کی حکومت کی رائے اور حکومت ہندوستان کی تجاویز کا اس وقت مطالعہ کیا جاسکتا ہے جب ایجنڈے کو منظور کرنے کے لئے بات چیت کی جائے گی۔

V کمیشن پاکستانی مندوبین کے بارے میں جلد آگاہی حاصل کرنے کا خواہش مند ہے تاکہ حکومت ہندوستان کو بھی اس سے مطلع کر دیا جائے۔

وزیر خارجہ پاکستان کا خط

وزیر خارجہ پاکستان نے ۱۶ اگست ۱۹۴۹ء کو پاک و ہند کمیشن کے نام جو خط تحریر کیا تھا اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ

آپ کا خط مورخہ تیرہ اگست ۱۹۴۹ء ملا جس کے ساتھ حکومت ہند کا خط مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء منسلک تھا جس میں مشترکہ کانفرنس کی تاریخ سترہ اگست کی بجائے بائیس اگست پر ملتوی کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔

II ہم نے سولہ اگست کو دہلی روانہ ہونے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں اور باقی ماندہ تمام مصروفیتیں ملتوی کر دی تھیں۔ اس لئے کانفرنس کے انعقاد کی مقررہ تاریخ کو ملتوی کرنے کی تجویز سے ہمارے مندوبین کے لئے کافی مشکلات کا باعث ہوگی۔ بہرصورت حکومت ہندوستان اور کمیشن کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے۔ ہمیں ہندوستان کی مجوزہ تاریخ منظور ہے۔

III پاکستانی وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل ہوں گے۔

(۱) وزیر خارجہ اور تعلقات دولت مشترکہ (۲) وزیر امور کشمیر مسٹر مشتاق احمد گورمانی (۳) سکرٹری جنرل مسٹر محمد علی (۴) میجر جنرل نذیر احمد (۵) بریگیڈیر ایم شیر خاں (۶) مسٹر ایم ایوب (۷) مسٹر اے۔ اے۔ خاں حکومت ہندوستان کو اس سے پہلے ہی وفد کے ناموں کی اطلاع دی جاچکی ہے۔

IV حکومت ہندوستان نے اپنے خط مورخہ بارہ اگست میں ابتدائی

ایجنڈا میں تین شقوں کی ایزادی کی تجویز پیش کی ہے جن میں دو شقیں تیرہ اگست والی قرارداد کے حصہ دوئم سے غیر متعلق ہیں۔ یہ شقیں (الف) آزاد کشمیر فوجوں کے توڑنے اور غیر مسلح کرنے اور (ب) شمالی علاقہ کے فوجی اور انتظامی کنٹرول کو حکومت ہندوستان اور مہاراجہ کشمیر کے پاس منتقل کرنے کے متعلق ہیں۔ ان شقوں کو کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کرنا چاہیئے۔ یہ کانفرنس کمیشن کے تیرہ اگست ۱۹۴۸ء والی قرارداد کے حصہ دوئم پر عمل درآمد کرانے کے متعلق ہو رہی ہے۔ یہی چیز آپ کے خط مورخہ ۹ اگست ۱۹۴۹ء کے پیراگراف ۵ میں لکھی ہوئی ہے۔

VI کمیشن ان زیر اعتراض شقوں کے متعلق پاکستان کے نظریہ کا پورا علم ہے مگر انہیں مختصر طور پر پھر بیان کر دینا بے جا نہ ہوگا

(الف) آزاد کشمیر فوج

کمیشن کی تیرہ اگست والی قرارداد میں پاکستانی فوجوں اور ہندوستانی فوجوں کی اکثریت کو کشمیر سے نکالنے کے متعلق تو ذکر موجود ہے۔ لیکن آزاد کشمیر فوجوں کے متعلق کوئی ذکر نہیں۔ اپنے خط مورخہ انیس ستمبر ۱۹۴۸ء کے پیرا نمبر ۲ (III) میں کمیشن نے پاکستان کو اس بات کا واضح طور پر یقین دلایا تھا کہ تیرہ اگست والی قرارداد آزاد کشمیر فوجوں کو توڑنے یا غیر مسلح کرنے پر حاوی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رائے شماری کے متعلق کمیشن کی گیارہ دسمبر ۱۹۴۸ء والی قرارداد کی شق ۴ کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر لوزانو نے ۲۰ دسمبر کو وزیر اعظم ہندوستان سے کہا تھا۔ کہ کمیشن کی مرضی ہے۔ کہ آزاد کشمیر فوجوں کو وسیع پیمانے پر غیر مسلح کر دیا جائے۔ مگر ڈاکٹر لوزانو نے ۲۵ دسمبر کو مجھے یقین دلایا تھا۔ کہ آزاد فوجوں کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کا کام رائے شماری کے شروع ہونے پر کریں گے اور اس کے ساتھ ہی حکومت ہندوستان اور مہاراجہ کشمیر کی فوجوں کو بھی نکال دیا جائے گا۔ جیسا کہ کمیشن کی گیارہ دسمبر ۱۹۴۸ء والی قرارداد کی شق ۴ میں لکھا ہوا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ دونوں طرف کی فوجوں کو کم کرنے کی صحیح تعداد کے متعلق رائے شماری کے منصرم اور متعلقہ حکام سے مشورہ کرنے کے بعد کمیشن فیصلہ کرے گا۔ پھر آپ نے اور ڈاکٹر لوزانو نے ۸ فروری ۱۹۴۹ء کو بھی اس کی تصدیق و تائید کر دی تھی۔ جب آپ نے اس بات پر اتفاق کیا تھا۔ کہ کمیشن عارضی صلح کے اوقات میں آزاد کشمیر فوجوں کو توڑنا نہیں چاہتا۔ ۸ فروری کے اجلاس کی کارروائی سے کمیشن نے ہندوستان کو آگاہ کر دیا تھا۔ اور سر گرجا شنکر باجپائی نے اپنے خط مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۹ء میں اس بات کو تسلیم کیا تھا۔ کہ آزاد کشمیر فوجوں کا مسئلہ تمام کارروائی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کو اس کے اپنے وقت پر حل کیا جائے گا یعنی جب کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے حصہ اول و دوئم پر عمل کیا جائے گا۔

ان حالات کی موجودگی میں آزاد کشمیر فوجوں کو توڑنے اور غیر مسلح کرانے کا سوال صلح کی آئندہ گفت گو میں نہ اٹھانا چاہیئے اس مسئلہ پر صرف اس وقت غور ہو سکتا ہے۔ جب رائے شماری کے منصرم کا دفتر قائم ہو جائے۔ اور ہندوستانی اور مہاراجہ کشمیر کی فوجیں التوائے جنگ کی حد بندی کے ہندوستانی علاقہ میں چلی جائیں۔

جیسا کہ پانچ جنوری ۱۹۴۹ء والی کمیشن کی قرارداد کی شق ۴ میں درج ہے۔

(ب) شمالی علاقہ

جیسا کہ ہمارے خط مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۴۹ء کے پیرا ۱۱ میں وضاحت کی گئی ہے۔ کہ حکومت ہندوستان کا شمالی علاقوں پر فوجی اور انتظامی کنٹرول کا دعویٰ کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے حصہ دوئم کی شق A3 (ب) کے سراسر خلاف ہے۔ یہی چیز کمیشن کے خط مورخہ تین ستمبر ۱۹۴۸ء اور خط مورخہ ۳ اپریل ۱۹۴۹ء کے پیرا ۳ (ب) میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ ان دستاویز کے تحت مشترکہ علاقوں کا انتظام مقامی حکام چلائیں گے۔ اور حکومت ہندوستان اور مہاراجہ کے افسروں میں سے کسی کو بھی ان علاقوں میں آنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ ہندوستانی فوجوں کی صلح کے دوران میں بھی التوائے جنگ کے وقت جو سرحدیں مقرر ہوئی تھیں۔ ان کے پار ہی رہنا ہوگا۔ اس چیز کا اطلاق ۱۳ اگست کی قرارداد کے حصہ دوئم کی شق ب (۳) کے تحت ہوتا ہے التوائے جنگ کی حد بندی کے شمالی علاقوں پر ہندوستانی فوجوں کے مقرر رکھنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ان علاقوں کے دفاع کا انتظام ان علاقوں کے مقامی حکام کے سپرد رہا ہے اور اسی طرح برقرار رہے گا۔

اس لئے ہمارا نظریہ ہے کہ حکومت ہندوستان کے خط مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء کے پیرا ۳ میں جو تجویز پیش کی گئی ہے۔ وہ نہ صرف صلح کے متعلق مجوزہ مشترکہ کانفرنس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ بلکہ ۱۳ اگست والی قرارداد کے اصولوں کے بالکل منافی ہے۔ اس لئے اس پر غور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

VII حکومت ہندوستان کے خط مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء کے پیرا ۳ کے متعلق حکومت پاکستان یہ کہنا چاہتی ہے۔ کہ ایجنڈے کی مدوں کے متعلق کمیشن نے جو فیصلہ کئے ہیں۔ وہ کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے تحت ہیں جنہیں پاک و ہند حکومتوں نے تسلیم کر لیا تھا۔ ہم اس بات سے متفق ہیں کہ قرارداد کے متن پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر حکومت ہند نے آزاد کشمیر فوجوں کے متعلق جو نظریہ لیا ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔

VIII حکومت پاکستان اپنے نظریہ کو پھر دہرانا چاہتی ہے۔ کہ مجوزہ مشترکہ کانفرنس میں چونکہ صرف کمیشن کی ۱۳ اگست والی قرارداد کے حصہ دوئم پر عملدرآمد کرنے کے متعلق بات چیت ہوگی۔ اس لئے اس قرارداد کے صرف اسی حصہ پر ہی بحث کو مرکوز رہنا چاہیئے اور کسی فالتو بات کو ایجنڈا میں شامل نہ کرنا چاہیئے۔

۸ اگست کو ہندوستان کی وزارت خارجہ کے سکرٹری جنرل سر گرجا شنکر باجپائی نے کمیشن کے صدر کو مندرجہ ذیل خط بھیجا۔ اس خط میں لکھا ہے کہ مجھے آپ کا خط ۱۳ اگست کو ملا۔ آپ کو پاکستان کے وزیر خارجہ نے ۱۴ اگست کو جو خط لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ہونیوالی کانفرنس میں مندرجہ ذیل امور ایجنڈے میں شامل نہیں کرنا چاہتے۔

(الف) نام نہاد آزاد کشمیر کی فوجوں کو توڑنے اور غیر مسلح کرنے کے لئے ضروری اقدامات

(ب) ریاست جموں و کشمیر کے پہاڑی اور غیر آباد شمالی علاقے کا دفاع اور انتظام و انصرام اگرچہ حکومت ہند کو آپ کے پیش رو عہدیدار کے خط کے پیراگراف ۵ یعنی ایجنڈا پر غور کرنے کے لئے مجھے اپنی حکومت کی اس سفارش پر غور کرنا چاہیئے۔ جو اس نے اپنے خط نمبر PA SOT ۵۲۰ مورخہ ۱۲ اگست میں کی تھی۔ پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ ہم مندرجہ بالا دونوں نمبروں کی ایجنڈے میں شمولیت بہت ضروری سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہندوستانی وفد میں مسٹر گوپال سوامی آئنگر، مسٹر وشنو سہائے ان دونوں کے فوجی سکرٹری اور میں شامل ہوں گا۔ مسٹر آئنگر وفد کی قیادت کریں گے۔ دونوں فوجی افسروں کے نام آپ کو بہت جلد بھیج دیئے جائیں گے۔

پاکستان کے نام کمیشن کا خط

۱۹ اگست کو کمیشن کے صدر نے وزیر خارجہ پاکستان کو ایک خط لکھا۔ کہ مجھے آپ کا خط مورخہ ۱۶ اگست مل گیا۔ اس خط میں آپ نے کمیشن کو ہونے والی مشترکہ کانفرنس کے متعلق پاکستان کا نظریہ بتا دیا ہے۔ کمیشن کے پاس حکومت ہند نے بھی اس مضمون کے متعلق ایک خط بھیجا ہے۔ جس کی نقل میں منسلک کر رہا ہوں۔ دونوں خطوط کو پڑھ کر اور بہت غور و فکر کے بعد کمیشن اس فیصلہ پر پہنچا ہے۔ کہ ہونے والی مشترکہ کانفرنس سے کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

چنانچہ ان حالات کے تحت اور یہ سمجھ کر کہ اس کانفرنس کے ناکام ہونے سے آپ کے متعلق میں کمیشن سمجھتا ہے۔ کہ اس مشترکہ کانفرنس کے خیال کو ترک کر دے۔ اور اس سلسلے میں میں نے آپ کو کل ایک تار بھی دیا ہے۔

کمیشن اب ان حالات کا جائزہ لے رہا ہے۔ دونوں حکومتوں کے اس رویہ سے پیدا ہوئے ہیں جو انہوں نے عارضی صلح کے سمجھوتے کے متعلق اختیار کیا ہے۔

میں اس قسم کا ایک خط حکومت ہند کو بھی بھیج رہا ہوں

بقیہ۔ ماضی کا ایک ترقی پسند

فتح کس کی ہوگی یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، البتہ علامہ اقبالؒ "جاوید نامہ" میں بڑے اچھوتے انداز سے ایک تمثیل کے ذریعہ سے اس منظر سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

"ابلیس کی مجلس شوریٰ بیٹھی ہے، تمام مشیر یکے بعد دیگرے اپنی کارروائی پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہیں۔ کوئی انگریز کی سیاست سے خائف ہے، کوئی یہودیوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ اور کوئی اشتراکیت کو فتنہ فردا بتاتا ہے۔ ابلیس ایک طرف بیٹھا خاموشی سے کارروائی سنتا رہتا ہے اور جب یہ روداد ختم ہو جاتی ہے تو اٹھتا ہے اور انہیں مخاطب کرکے یہ پیغام سرمدی دیتا ہے ۔

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحرگاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

لوہے کے بیوپاریوں کے لئے

خوشخبری

ہر قسم کا سامان ہارڈ ویئر مثلاً ۔ ریتی ۔ کیل ۔ برنجی نکو را پیچ مقابلہ ۔ قبضہ ۔ آری ۔ فرنائی ۔ سنگل ریگمال ۔ شنگل ۔ ڈوری ۔ وغیرہ ارزاں نرخوں خرید فرمائیں ۔

مینجر: نیشنل ہارڈ ویئر مارٹ میریٹ روڈ کراچی ۲ ۔ برانچ انارکلی بازار ۔ لاہور

آخر آپ بیمار کیوں ہیں؟

کیا آپ کی مرض کی صحیح تشخیص نہ ہو سکی ۔ دوا خالص اور عمدہ نہ مل سکی ۔ کیا آپ ناتجربہ کار حکیموں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں ! اگر یہ درست ہے تو یقیناً آپ کو اپنی صحت ، دولت اور وقت کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہو گا ۔ نیم حکیموں کے مشورے سے صحیح تشخیص کے بغیر ناقص دوائیں سستی سمجھ کر استعمال کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مار لینا ۔ اس لئے ہمارا پر خلوص مشورہ یہ ہے ۔ کہ اپنے قیمتی وقت ، اپنی دولت صحت پر رحم کیجئے اور پاکستان کے سب سے پرانے اور مشہور طبی ادارے قومی دواخانہ کی قائم کردہ مجلس تشخیص و تجویز کی خدمات سے فائدہ اٹھایئے ۔

یہ مجلس پاکستان کے ممتاز تجربہ کار اور مستند طبیبوں کی ایسی جماعت ہے ۔ جو پیچیدہ سے پیچیدہ امراض کی گتھیاں نہایت خوش اسلوبی سے سلجھا لیتی ہے اس مجلس کے صدر عالی جناب شفاء الملک حکیم محمد حسن صاحب قرشی ہیں ۔ جن کی حذاقت و حکمت کا لوہا دوست و دشمن سب ہی مانتے ہیں ۔ بیرونجات کے سینکڑوں میل دور رہنے والے ہزاروں مریض گھر بیٹھے ۔ بذریعہ خط و کتابت اپنے حالات مریض بھیج کر اس مجلس کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔ لہذا آپ بھی اپنے حالات ارسال فرما کر اس مجلس کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں اور نئی زندگی حاصل کریں ۔ مشورہ کی فیس نہیں لی جاتی ۔

دل کشا

قیمتی جواہرات اور مفرح نباتی ادویہ کا بیش قیمت مرکب ہے ۔ اختلاج ، گھبراہٹ ، غشی ، دل کی کمزوری اور خفقان کی شکایتیں ۔ اس کے چند روزہ استعمال سے دور ہو جاتی ہیں تقویت و تفریح قلب کے لئے بہترین چیز ہے ۔ قیمت فی شیشی ۲ روپے ۱۲ آنے

مکمل فہرست دواخانہ سے مفت طلب کریں ۔

خیر اللہ بٹ : مینجر مجلس تشخیص و تجویز ، قومی دواخانہ ۔ دل محمد روڈ ۲ ۔ لاہور

نیا مکتبہ کی ایک اور کامیاب پیشکش

رہنمائے مدرسین

سید اقبال حسین صاحب بی ۔ اے ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس جہلم کی کاوش اور وسیع تجربہ کا قیمتی نچوڑ ۔ جس میں قوم کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اساتذہ کرام کی مخلصانہ اور صحیح رہنمائی کی گئی ہے ۔ غیر مبہم ، قطعی واضح اور سہل ترین تدریسی نکات کا نادر مجموعہ ۔

قیمت فی جلد ایک روپیہ

فہرست کتب مفت طلب فرمائیں ۔

معیاری کتب کے لئے ہمیشہ یاد رکھئے ۔ } نیا مکتبہ کبیر سٹریٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

زندگی کا راگ اس کے سوز پنہائی میں ہے ۔ قابل عبرت فسانہ راکی رانی میں ہے

پروڈیوسر ڈائرکٹر جگدیش سیٹھی

نے ویشیا کے قرب کو اپنی شاہکار تصویر میں پیش کیا ہے

راکی رانی

اوڈین لاہور میں ۱۲ اگست سے بے پناہ پش لے رہا ہے

- ایک ایسی تصویر جو زندگی کا ایک نمونہ ہے
- منور سلطانہ کا رقص بجوف طنز ہے ۔
- ویشیاؤں کے اضطراب کا مرقع ہے
- آغاز سے انجام تک مسلسل ہے
- ایک منہ بولتی تصویر ہے

فنکار : سلوچنا چیٹرجی ۔ جگدیش سیٹھی ۔ بھوری ۔ اوم پرکاش ۔ منور سلطانہ ۔ شیام

منظر نامہ : راج چوپڑہ

موسیقی : ہنسراج

عکاسی : جی سنگھ

گانے : آزاد لکھنوی ۔ اے شاد شکار پوری

چند خصوصیات جنکو سب نے سراہا ہے

۱ ۔ انقلابی تصورات کا دلآویز مرقع جس سے نسوانی اضطراب کا لاوا پھوٹتا ہے ۔

۲ ۔ نغموں کی انمول لڑیاں ۔

۳ ۔ مکالموں کی ترت پھرت تصویریں

۴ ۔ فوٹوگرافی اور صدابندی کی ساحرانہ پیشکش

۵ ۔ ہدایت کا عروج اور فنکاری کا کمال

ہمارے سلور جوبلی شاہکار

چمن ۔ انجمن ۔ مڈل فیل ۔ طلسمی خنجر

دیگر آنے والے شاہکار

چٹان ۔ بنسریا ۔ سبق ۔ انمول رتن

جاری کردہ : تحسین پکچرز ۔ ۲۴ میکلوڈ روڈ ۔ لاہور

[illegible] پرنٹر و پبلشر نے [illegible] لاہور میں چھپوا کر دفتر چٹان سے شائع کیا ۔